تھے جن کے ساتھ وہ سیاحت کی وجہ سے دوبارہ مل بھی نہ سکے۔ وہ اپنی ضمنی مہمات کی تفصیل بے ربط انداز میں بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے کئی ایسے تاریخی واقعات کا ذکر بھی کیا ہے جن کا مشاہدہ انہوں نے خود نہیں کیا۔ یہ واقعات انہوں نے دوسرے لوگوں سے سنے اور انہیں اپنی طرف سے بیان کردیا۔ ان سب باتوں کے باوجود ان کی پیش کردہ معلومات کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ سفرنامے میں ابن بطوطہ کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل ہوتی ہیں لیکن سفرنامے سے ان کا مقصد صرف اپنی زندگی کے حالات وواقعات قلمبند کرنا ہرگز نہیں تھا۔ ابن بطوطہ اپنا یہ مقصد حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔ ان کے کام کو مدتوں یاد رکھا جائے گا۔ ابن بطوطہ فقہ اور دوسرے مروجہ علوم پر کسی قدر دسترس ضرور رکھتے تھے لیکن انہیں ایک مستند عالم قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ان کی مہمات کے پیچھے علمی یا تحقیقی مقصد کارفرما نہیں تھا۔ انہیں جو چیز بھی اہم یا عجیب لگی انہوں نے اسے آگے بیان کردیا۔ ابن بطوطہ روحانیات پر گہرا اعتقاد رکھتے تھے۔ ان کے سفرنامے میں درویشوں، ولیوں اور خدارسیدہ لوگوں کی کرامتوں کا جابجا ذکر ملتا ہے۔ سفرنامے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خوابوں اور پیش گوئیوں پر بھی یقین رکھتے تھے۔ وہ دوسرے ملکوں کے سیاسی اور معاشرتی حالات اور ان کے حکمرانوں کے کارناموں میں خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ وہ مختلف علاقوں کے رہن سہن اور رسم ورواج کو بڑی گہری نظر سے دیکھتے ہیں۔ شادی بیاہ اور پیدائش اور موت کی رسمیں انہیں خاص طور پر متاثر کرتی ہیں وہ بعض جگہ بڑی باریک بینی سے کام لیتے اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کا بھی تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ ہندوستانی پلنگوں چین میں استعمال کئے جانے والے ایندھنوں کا ذکر کرتے ہیں۔ کریمیا میں چلائی جانے والی گاڑیوں کے متعلق بتاتے ہیں اور مختلف کیڑوں مکوڑوں سے نجات حاصل کرنے کے مروجہ طریقوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ وہ مختلف خطوں کے حیوانات، نباتات اور معدنیات کے بارے میں بتاتے ہیں۔ وہ ان چیزوں کا ذکر خاص طور پر کرتے ہیں جو مختلف علاقوں کے لوگ اپنے کام میں لاتے ہیں۔ مثلاً ناریل کے متعلق انہوں نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔

جزائر مالدیپ میں قیام کے دوران انہوں نے خود بھی ناریل کو غذا کے طور پر استعمال کیا۔ انہوں نے جنوبی عرب، ہندوستان اور مالدیپ میں پیدا ہونے والے اناج، پھلوں اور درختوں کے بارے میں بڑی وضاحت سے لکھا، ان کے سفرنامے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آثار قدیمہ سے کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ انہیں عمارتوں سے بھی اتنا شغف نہیں، وہ کیمیا گری کو مانتے ہیں۔ مذہبی قصوں اور روایتوں کے بارے میں بھی خاصے خوش اعتقاد محیر العقول مظاہر فطرت کے بارے میں شک کا شکار لگتے ہیں۔ ان کے سفرنامے کا تقریباً پانچواں حصہ ہندوستان سے متعلق ہے۔ یہ حوالہ جات بہت اہمیت کے حامل ہیں اور ہمیں اس سے چودھویں صدی کے ہندوستان کے بارے میں مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ سفرنامے میں مالدیپ، جنوبی روس اور خصوصاً سیاہ فام افریقہ کے متعلق فراہم کردہ معلومات بھی بہت اہم ہیں۔ ان علاقوں کے بارے میں بعض معلومات تو صرف ابن بطوطہ کی بدولت ہمارے سامنے آتی ہیں۔

بقیہ...... بزم رفتہ کی سچی کہانیاں

تجھے مجھ جیسا پیر نہیں ملے گا

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے ایک نواب صاحب بیعت ہوگئے۔ بڑے مال پیسے والے تھے۔ اس دور میں جب استاد کی تنخواہ پانچ روپے ماہانہ ہوا کرتی تھی اس نے حضرت کو ایک لاکھ روپے بھجوایا۔ حضرت اقدس تھانویؒ نے اس کے خط کی تحریر سے محسوس کیا کہ یہ تو احسان جتلا کر پیش کررہا ہے۔ حضرت تھانویؒ نے منی آرڈر واپس کردیا۔ جب منی آرڈر واپس گیا تو وہ سٹپٹا گیا۔ اس نے پھر خط لکھا۔ کہنے لگا، حضرت! میں نے بیعت ہوکر آپ کو ایک لاکھ روپیہ ہدیہ کیا، آپ کو ایسا مرید اور کہیں نہیں ملے گا۔

حضرت نے خط پڑھا اور جواب میں لکھا کہ اگر مجھے تجھ جیسا مرید نہیں ملے گا تو تجھے مجھ جیسا پیر نہیں ملے گا جو تیرے لاکھ روپے کو ٹھوکر مار دے۔

کچھ اہم و مفید مطبوعات

از: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
کاروان زندگی حصہ اول (نیا ایڈیشن) -/100
کاروان زندگی حصہ دوم (نیا ایڈیشن) -/90
کاروان زندگی حصہ سوم -/80
کاروان زندگی حصہ چہارم -/90
کاروان زندگی حصہ پنجم -/80
کاروان زندگی حصہ ششم (نیا ایڈیشن) -/90
کاروان زندگی حصہ ہفتم -/80
مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی (نیا ایڈیشن) -/40
حج کے چند مشاہدات -/6
خواتین اور دین کی خدمت -/25
کاروان ایمان وعزیمت (نیا ایڈیشن) -/35
دعائیں -/10
سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ (نیا ایڈیشن) -/90
سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ (نیا ایڈیشن) -/90
نبی رحمتؐ (نیا ایڈیشن) -/200
سیرت سید احمد شہیدؒ (دو جلدیں) -/200
تاریخ دعوت وعزیمت (پانچ جلدیں) -/355
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر -/70
اپنے گھر سے بیت اللہ تک -/25

از: محترمہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ
زاد سفر دو جلدیں (نیا ایڈیشن) -/150
باب کرم (نیا ایڈیشن) -/12
بچوں کی قصص الانبیاء حصہ اول -/15
بچوں کی قصص الانبیاء حصہ دوم -/14
بچوں کی قصص الانبیاء حصہ سوم -/15
بچوں کی قصص الانبیاء حصہ چہارم -/12
ہمارے حضورؐ (اردو) -/15 ہمارے حضورؐ (ہندی) -/20
موج تسنیم (اردو) زیر طبع
مناجات ہاتف -/10
دیار حبیب -/5

از مخدومہ خیر النساء بہترؒ
حسن معاشرت (نیا ایڈیشن) -/15
کلید باب رحمت -/6
ذائقہ (نیا ایڈیشن) -/15
ذکر خیر 〃 -/15

از: حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ
لبیک اللّٰھم لبیک -/30
سوانح حضرت مولانا خلیل سہارنپوریؒ -/50
سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ -/150
زبان کی نیکیاں -/15
گلدستہ حمد وسلام -/6
کلام ثانیؒ زیر طبع

از: مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ
دو مہینے امریکا میں -/90
جزیرۃ العرب -/70
حج ومقامات حج -/35
امت مسلمہ -/70
سماج کی تعلیم وتربیت -/45

از: حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ
معارف الحدیث (مکمل آٹھ جلدیں) -/870
اسلام کیا ہے؟ (اردو) -/30
اسلام کیا ہے؟ (ہندی) -/35
دین وشریعت -/70
ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت -/70
قادیانی مسلمان نہیں -/25
آپ حج کیسے کریں؟ (نیا ایڈیشن) -/40
آپ حج کیسے کریں؟ (ہندی) (نیا ایڈیشن) -/45
درس قرآن -/200

دیگر مصنفین کرام کی تصانیف
تذکرہ حضرت سید احمد شہیدؒ -/45
مکتوبات مفکر اسلامؒ (اول) -/80
مکتوبات مفکر اسلامؒ (دوم) -/120
(مولانا سید محمد حمزہ حسنی صاحب)
تذکرہ حضرت سید شاہ علم اللہ -/35
سیرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ -/30
(مولانا محمد الحسنیؒ)
بشریت انبیاء (نیا ایڈیشن) -/40
ذکر رسولؐ 〃 -/55
مولانا محمد علی جوہر 〃 -/175
(مولانا عبدالماجد دریابادیؒ)
کتاب النحو (حافظ عبدالرحمٰن امرتسریؒ) -/18
کتاب الصرف 〃 -/20
بریلوی فتنہ کا نیا روپ (مولانا عارف سنبھلی) -/40
تاریخ میلاد (حکیم الشکور) -/30
مقالات سیرت (ڈاکٹر قدوائی) -/30
سیرت صدیقؓ (حبیب الرحمٰن شیروانی) -/25

مکتبہ اسلام ۵۴/۲/۱۷، محمد علی لین گوئن روڈ، لکھنؤ ۱۸
فون نمبر دفتر: 2270406
فون نمبر رہائش: 2229174

LW/NP-184/2009-11 R. N. 2416/57
Monthly
RIZWAN
Ph: 0522-227
172/54 Mohammad Ali Lane Gwynne Road Lucknow-226018 Mob: 9415911511

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی مقبول و معروف کتابیں

سوانح حیات.............کاروانِ زندگی

ایک معلم، مصنف، مؤرخ، داعی اور رہنما کی سرگذشت حیات

جس میں ذاتی زندگی کے مشاہدات و تجربات، احساسات و تاثرات اور ہندوستان اور عالم اسلام کے واقعات و حوادث اور تحریکات و شخصیات کے مطالعہ کا ماحصل اس طرح گھل مل گیا ہے کہ وہ ایک دلچسپ و سبق آموز آپ بیتی اور ایک مؤرخانہ و حقیقت پسند جگ بیتی بن گئی ہے اور چودھویں صدی ہجری، بیسویں صدی عیسوی کی تاریخ و سرگذشت کا ایک اہم باب محفوظ ہوگیا ہے۔

● ایک تاریخی دستاویز ● ادبی مرقع ● دعوت فکر و عمل

فوٹو آفسیٹ کی بہترین کتابت و طباعت سے آراستہ

قیمت حصہ اول	(اردو ایڈیشن)	100/-
قیمت حصہ دوم	(اردو ایڈیشن)	90/-
قیمت حصہ سوم	(اردو ایڈیشن)	80/-
قیمت حصہ چہارم	(اردو ایڈیشن)	90/-
قیمت حصہ پنجم	(اردو ایڈیشن)	80/-
قیمت حصہ ششم	(اردو ایڈیشن)	90/-
قیمت حصہ ہفتم	(اردو ایڈیشن)	80/-
قیمت مکمل سیٹ	(کاروان زندگی)	610/-

کاروان ایمان و عزیمت

قافلہ مجاہدین یعنی حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک اصلاح و جہاد سے تعلق رکھنے والے اصحاب علم و فضل و عزیمت کا تذکرہ جس سے مسلمانوں کی تاریخ دعوت و عزیمت کا ایک روشن باب سامنے نظر آتا ہے۔

خوبصورت کتابت و طباعت

قیمت 35/-

حج کے چند مشاہدات

اس کتاب میں مولاناؒ نے حج کے بارے میں جس طرح اپنے تاثرات و مشاہدات کا اظہار کیا ہے وہ اپنے انداز کا مؤثر اظہار ہے۔

قیمت 6/-

خواتین اور دین کی خدمت

خواتین کی کیا ذمہ داریاں ہیں، ان کے دینی و سماجی فرائض کیا ہیں، وہ کس طرح دین کی خدمت کرسکتی ہیں، آخر میں مولاناؒ کی والدہ ماجدہ کے وہ تربیتی خطوط ہیں جو انھوں نے مولاناؒ کے نام ان کی تعلیم کے دوران لکھے تھے۔

قیمت 25/-

ذکرِ خیر

حضرت مولانا کی والدہ ماجدہؒ کے حالات زندگی، خود حضرت مولاناؒ کے قلم سے۔ قیمت 15/-

سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ

عہد حاضر کی مشہور دینی شخصیت اور عارف باللہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے حالات زندگی، ان کی شخصیت، ان کی نمایاں صفات، انداز تربیت، توازن و جامعیت، تعلق مع اللہ، خلوص و محبت، فیض و تاثرات اور معرفت و سلوک کا ایمان افروز تذکرہ۔ قیمت مجلد 90/-

بیادگار حضرت مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ رضوان لکھنؤ

جلد ۵۵	دسمبر ۲۰۱۱ء	شمارہ ۱۲

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

معاونین

● میمونہ حسنی ● عائشہ حسنی

● جعفر مسعود حسنی ● محمود حسن حسنی

سالانہ چندہ

برائے ہندوستان : ۱۵۰/روپے

غیر ملکی ہوائی ڈاک : ۳۵/امریکی ڈالر

فی شمارہ : ۱۵/روپے

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

ماہنامہ رضوان ۵۴/۱۷۲/۲، محمد علی لین، گوئن روڈ، لکھنؤ۔۲۲۶۰۱۸

Mobile : 9415911511

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کیلئے نظامی آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ : ناشر کمپیوٹر لکھنؤ۔ فون : 9580695643

فہرست مضامین

- اپنی بہنوں سے ...... مدیر ۳
- حدیث کی روشنی میں ...... امۃ اللہ تسنیم ۴
- دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو ...... مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ۶
- حب الٰہی کے تقاضے ...... شہید حکیم محمد سعید ۹
- سید الشہداءؓ پر نبی کریم کا حزن وملال ...... مولانا آصف نسیم ۱۱
- دین پر عمل آوری، جان ومال ...... مولانا سید احمد ومیض ندوی ۱۳
- بزم رفتہ کی سچی کہانیاں ...... محمد قمر الزماں ندوی ۱۶
- مسواک ایک اہم سنت رسولؐ ...... مولانا محمد شریف احمد مظاہری ۱۹
- وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے ...... ثمینہ صالح العمودی ۲۲
- اسلامی نقطہ نظر میں حقوق مرد وزن ...... محمد بدیع الزماں نقشبندی ۲۴
- میری عظیم ماں ...... لالہ صحرائی ۲۶
- ظلم کی ٹہنی ...... یعقوب سروش ۳۰
- مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ...... محترم عبداللہ خالد قاسمی، خیرآبادی ۳۳
- ابن بطوطہ: چھٹی صدی ہجری کا معروف ...... ادارہ ۳۸-۴۰

اپنی بہنوں سے

رشید احمد حسنی ندوی

رسم ورواج کی پابندیوں نے معاشرہ کو کھوکھلا کر دیا ہے شادی کی تقریبات میں بے حد وحساب اسراف اور فضول خرچی خاندان میں ایک دوسرے سے بے رخی، ہمدردی اور اچھے سلوک کا نہ کرنا، خود غرضی کا عام ہو جانا، صرف اپنا مفاد سامنے رکھنا جیسے اعمال نے سماج کو تباہی کے راستے پر ڈال دیا ہے۔ بھائی بھائی کا دشمن بن گیا ہے، میاں بیوی میں جھگڑے ہونے لگے ہیں جس سے ہمارا خاندانی نظام درہم برہم ہوتا جا رہا ہے اور ہمارا سماج یورپ کے راستہ پر گامزن ہو گیا ہے اور دین سے دوری نے مغربی تہذیب کا دل دادہ بنا دیا ہے، جس کی وجہ سے حالات سنگین ہو گئے اور حالات اس وقت تک بہتر نہیں ہوں گے جب تک ہم اپنے اعمال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں سنت کے مطابق نہ کر لیں چاہے کھانے پینے کی سنت ہو یا چلنے پھرنے، سونے جاگنے کی سنت ہو یا شادی کی سنت ہو یا دیگر دنیاوی معاملات ہوں، ان سب چیزوں میں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا چاہئے۔ ذرا اپنی ظاہری آنکھوں کو بند کر کے تصور کی آنکھوں کو کھولئے اور دیکھئے یہ مدینۃ الرسول ہے جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے سے اخلاق سے پیش آتے تھے اور ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے اور ایثار کرتے تھے اور عشق نبوی میں سرشار تھے اور معمولی سے معمولی کام میں بھی شریعت کے حکم کو سامنے رکھتے تھے اسی کے تحت زندگی گذارتے تھے جس کی وجہ سے مدینہ منورہ کا معاشرہ مثالی معاشرہ کی حیثیت رکھتا تھا اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہاں بسنے والے لوگ اپنی زندگی کا مقصد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی کو قرار دے رکھا تھا، ہم کو غور کرنا چاہئے کہ ہماری اپنی زندگی کا کیا حال ہے کیا ہم صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش نہیں کر سکتے۔ کم از کم کوشش تو کرنی چاہئے کوشش کرنے والے کے ساتھ اللہ کی مدد شامل ہوتی ہے، ہم لوگوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ ہے، بھلا بتایئے ہم کہاں تک سچے ہیں، کیا ہم اتباع سنت کو اپنی زندگی کا محور نہیں بنا سکتے، جس کے تحت ہمارا معاشرہ ایک مفید معاشرہ بن سکے۔ اگر ہم اس راستہ پر نہ چلیں گے اور صحابہ کرامؓ کے نقش قدم کو نہ اختیار کریں گے تو ہماری زندگی بربادی کی طرف چلی جائے گی اور اس سے بہت نقصان ہوگا دین ودنیا دونوں برباد ہو جائے گی، آیئے اب ہم عہد کر لیں کہ ان شاء اللہ آئندہ شادی کی تقریبات میں اسراف کرنے سے بچیں گے، اور ان تمام برے کاموں سے بچیں گے جو دین کے خلاف ہیں اور معاشرہ میں تباہی وبربادی لاتے ہیں نام ونمود اور شہرت کے چکر میں عام طور پر سرزد ہوتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کریں گے، اللہ پاک ہم سب کو دین کی ہر بات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حدیث کی روشنی میں

فقر و زہد

امۃ اللہ تسنیم

حضور کا اپنی امت کیلئے دنیا کی زیب وزینت سے ڈرنا

حضرت عمرو بن عوفؓ انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کو جزیہ لینے کیلئے بحرین بھیجا۔ وہ بحرین سے مال لے کر آئے۔ انصار نے سنا کہ حضرت ابوعبیدہؓ آگئے تو وہ صبح کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوگئے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو وہ سامنے آئے آپ ان کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا میرا خیال ہے کہ تم نے سن لیا۔ ابوعبیدہؓ بحرین سے کچھ لائے ہیں۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا مبارک ہو اور خوشی کی امید رکھو، خدا کی قسم میں تمہارے لئے فقر کو نہیں ڈرتا لیکن مجھے خوف ہے کہ تمہارے لئے بھی دنیا اسی طرح نہ پھیلادی جائے جیسے تم سے اگلوں کے لئے پھیلائی گئی تھی تو جیسے ان کو ہلاک کیا تم کو بھی کہیں نہ ہلاک کردے۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابوسعیدؓ خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف رکھتے تھے اور سب آپ کے گرد بیٹھے تھے آپ نے فرمایا مجھے یہ ڈر رہتا ہے کہ میرے بعد تم پر دنیا کی آرائش اور اس کی زینت کھول نہ دی جائے۔ (بخاری۔ مسلم)

اور انہیں سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا سرسبز اور میٹھی ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو اس میں جانشین بنائے گا، پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیا کرتے ہو۔ تو دنیا اور عورتوں سے ڈرنا۔ (مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ اصلی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

میت کے ساتھ تین چیزیں ہوتی ہیں

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کے ساتھ تین چیزیں ہوتی ہیں۔ اُس کا مال، اس کے گھر والے، اور اُس کے...... اعمال۔ دو چیزیں پلٹ کر آتی ہیں۔ ۱۔ گھر والے۔ ۲۔ مال پلٹ آتے ہیں۔ ۳۔ عمل باقی رہتا ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

دوزخ جنت کا منظر دیکھ کر دنیا کی مصیبت وراحت کو بھول جانا

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن دنیا کے سب سے زیادہ آرام پانے والے کو لایا جائے گا جو دوزخی ہوگا، اُس کو آگ میں ایک غوطہ دیا جائے گا۔ پھر کہا جائے گا کہ اے ابن آدم کیا تو نے کبھی کوئی بھلائی دیکھی، کیا کسی بھلائی کا تیرے پاس کبھی گزر ہوا، وہ کہے گا اے میرے پروردگار کبھی نہیں، پھر دنیا کے سب سے زیادہ مصیبت زدہ کو لایا جائے گا جو جنتی ہوگا اس کو جنت میں ایک غوطہ دے کر کہا جائے گا دنیا میں کیا کبھی تجھ کو تکلیف کی کوئی ساعت گزری، وہ کہے گا اے میرے پروردگار میں نے کبھی کوئی تکلیف نہیں دیکھی اور نہ مصیبت سے دوچار ہوا۔ (مسلم)

آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی بے حقیقی

حضرت مستورد بن شداد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو ایسی ہی نسبت ہے جیسے سمندر میں کوئی اپنی اُنگلی ڈالے اور دیکھے کہ اس پر کیا تری لگی رہ گئی۔ (مسلم)

اللہ کے نزدیک دنیا کی حقیقت

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بازار سے گزر ہوا اور لوگ آپ کے دائیں بائیں تھے، ایک مری ہوئی کنکٹی بکری کے پاس سے گزرے تو اُس کے کان پکڑ کر اٹھایا اور فرمایا تم اس کو ایک درہم کے بدلے لینا چاہتے ہو۔ لوگوں نے عرض کیا ہم اس کو کسی چیز کے بدلے لینا نہیں چاہتے ہیں، ہم اس کو لے کر کیا کریں گے، آپ نے فرمایا کیا تمہاری خواہش ہے کہ یہ تم کو مل جائے، انہوں نے عرض کیا واللہ اگر یہ زندہ بھی ہوتی تو عیب دار ہوتی، یہ مری ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم جتنی حقیر تمہاری نظر میں یہ ہے۔ خدا کی نظر میں دنیا اس سے کہیں زیادہ حقیر ہے۔ (مسلم)

دولت کے ساتھ سلوک

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی پتھریلی جگہ میں چل رہا تھا۔ اُحد پہاڑ سامنے آیا۔ آپ نے فرمایا اے ابوذرؓ! میں نے عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ، فرمایا مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس اُحد کے برابر سونا ہو اور مجھ پر تین دن گذر جائیں اور میرے پاس اس سے ایک دینار بھی بچ رہے ہاں بس اتنا کہ میں قرض کے لئے روک لوں یا یہ کہ اس کو اللہ کے بندوں میں تقسیم کروں اس طرح اس طرح اور اس طرح اپنے دائیں بائیں اور پیچھے اشارہ فرمایا، پھر آگے چلے اور فرمایا آج جو بڑے دولت مند ہیں کل قیامت کے دن بے بضاعت ہوں گے مگر وہی جو مال کو اس طرح تقسیم کریں پھر اپنے دائیں بائیں اور پیچھے اشارہ فرمایا اور فرمایا کہ ایسے لوگ بہت کم ہیں، پھر آپ نے ارشاد فرمایا تم اسی جگہ رہنا جب تک میں نہ آجاؤں، یہاں سے نہ ہٹنا۔ پھر آپ رات کی تاریکی میں کہیں تشریف لے گئے یہاں تک کہ نظروں سے اوٹ ہوگئے اتنے میں میں نے ایک بلند آواز سنی، مجھے خوف ہوا کہ کوئی نئی بات تو نہیں پیش آئی، میں نے آپ کے پاس جانے کا ارادہ کرلیا مگر آپ کی بات یاد آگئی کہ یہاں سے نہ ہٹنا، اس خیال کے آتے ہی میں ٹھہر گیا۔ تھوڑی دیر میں آپ تشریف لے آئے۔ عرض کیا کہ میں نے ایک آواز سنی تھی جس سے میں ڈر گیا تھا اور پورا قصہ کہہ سنایا، آپ نے فرمایا تم نے سنا تھا؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا وہ جبرئیل تھے۔ مجھے خبر دی ہے کہ میری اُمت میں اگر کوئی اس حال میں مرجائے کہ اس نے شرک نہ کیا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا میں نے کہا اگر چہ وہ بدکار ہو اور چور ہو۔ فرمایا اگر چہ وہ بدکار ہو یا چور ہو۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے پاس اُحد کے برابر سونا ہو تو میں اس حالت پر تین راتیں گزارنا پسند نہیں کرتا، ہاں صرف اتنا کہ قرض کے کام آسکے۔ (بخاری۔ مسلم)

آدمی اپنے سے کم کو دیکھے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے سے کم درجہ والوں کو دیکھو، بڑے درجہ والوں کو نہ دیکھو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اللہ کی نعمت کو حقیر نہ سمجھو گے۔ (مسلم)

روپیہ پیسہ کا بندہ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دینار ودرہم کا بندہ اور شال دوشالہ کا پرستار، ہلاک ہو، اگر اس کو یہ چیزیں دے دی جائیں تو راضی ہوتا ہے ورنہ ناراض ہوجاتا ہے۔ (بخاری)

اہل صفہ کی حالت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے اہل صفہ کے ستر آدمیوں کو دیکھا ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا کہ اس کے پاس اوڑھنے باندھنے کے لئے پورا کپڑا ہوتا، کسی کے پاس صرف چادر ہوتی تھی کسی کے پاس صرف تہہ بند جس کو وہ اپنی گردنوں میں باندھ لیتے تھے، وہ کسی کے نصف پنڈلی تک پہنچتا اور بعض کے ٹخنوں تک، وہ اپنے ہاتھ سے پکڑے رہتے تھے کہ کوئی برہنہ نہ دیکھے۔ (بخاری)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

مصر و تیونس کے بعد لیبیا میں بھی انقلاب کی آندھی نے ۴۲ سالہ اقتدار کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا، ۱۹۶۹ء میں...... جب معمر قذافی کی عمر صرف ۲۷ سال تھی...... شاہ ادریس کی حکومت کا تختہ الٹ کر وہ لیبیا کے حکمراں بن گئے تھے۔ ۱۹۷۷ء میں قذافی نے اس ملک کو ''سوشلسٹ پیپلز لیبیا عرب جمہوریہ'' قرار دیا، انہوں نے اپنے مقابلہ کسی بھی سیاسی جماعت کے قیام کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے خاص طور سے اسلام پسندوں پر بڑے مظالم ڈھائے اور نہایت سفاکانہ رویہ اختیار کیا، ملک کے باہر انجام پانے والے مختلف تخریبی واقعات میں بھی قذافی کو مورد الزام ٹھہرایا گیا، جس کے بارے میں یقین کے ساتھ کوئی بات نہیں کہی جاسکتی، لیکن اندرون ملک انہوں نے اور ان کے فرزندان نے جو جور و ستم ڈھائے اور خود اپنی عوام کا قتل کیا، وہ ایک ایسی سچائی ہے، جس کا ان کے دشمنوں کو بھی اعتراف ہے، صرف ابوسالم جیل میں انہوں نے گیارہ سو سے زیادہ قیدیوں کو بیک جنبش قلم ہلاک کرادیا۔

انہیں دنیا میں ایک پاگل قائد اور جنونی حکمراں کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، اور ان کے بعض اقدامات نہایت عجیب اور حیران کن ہوتے تھے، جیسے اپنے باڈی گارڈ کی حیثیت سے ۲۰۰۰ نوجوان لڑکیوں کو متعین کرنا، کسی بھی ملک جائیں وہاں ایک الگ خیمہ لگا کر اس میں مقیم ہونا، اپنی مخصوص اونٹنی کو ساتھ لے جانا اور اس کا دودھ پینا، ایک طرف امریکہ اور اسرائیل کا سخت ناقد ہونا اور دوسری طرف یہ مشورہ بھی دینا کہ مسجد اقصیٰ کو فراموش کردینا چاہئے، ملک کے دستور کے طور پر ''کتاب الاخضر'' کے نام سے انہوں نے کتاب مرتب کی، حکومت کی نظر میں اس کا تقدس کسی مذہبی کتاب سے کم نہیں تھا، وہ دینی موضوعات پر عالمی کانفرنس بھی کرتے تھے اور دوسری طرف کمیونزم کے حامی بھی تھے، اور شریعت کا مذاق بھی اڑاتے تھے۔

۲۰۰۹ء میں انہوں نے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ اپنے ۴۰ سالہ اقتدار کا جشن منایا، انہیں کیا خبر تھی کہ اس جشن کے بعد ملک میں ایک اور جشن منایا جانے والا ہے، اور یہ جشن ان کی رسوا کن ہلاکت کا ہوگا، جو پورے ملک کے لئے فرحت و مسرت کا دن ثابت ہوگا، چنانچہ ۲۰۱۱ء کے اوائل ہی سے ان کے خلاف عوامی غیظ و غضب کی چنگاری سلگنی شروع ہوگئی، قذافی کو ان کے دوستوں نے بہت سمجھایا، لیکن کسی طرح وہ صلح کی میز پر آنے کو تیار نہیں ہوئے، یہاں تک کہ فروری ۲۰۱۱ء میں انہوں نے پرامن احتجاجیوں پر نہایت سفاکانہ حملے کرائے اور اپنی عوام کے لئے بندوق کی گولی کو کافی نہ جانا، بلکہ ٹینک کے گولے اور بمبار طیاروں سے آتشیں بم بھی ان پر پھینکے، بالآخر مجاہدین آزادی کے لئے مغربی ملکوں سے مدد لینے کے سوا کوئی راستہ نہیں رہ گیا، اور ینٹو کی مدد سے ۲۱/اگست کو قومی عبوری کونسل نے دارالحکومت طرابلس پر کنٹرول حاصل کرلیا، نیز ۲۰/اکتوبر کو کرنل قذافی کو نہایت ذلت کے ساتھ اس وقت گرفتار کرلیا گیا، جب وہ ایک نالہ میں چھپے ہوئے تھے، وہ اور ان کے ایک بیٹے اس حال میں مارے گئے کہ نہ کوئی آنکھ ان پر رونے والی تھی اور نہ کوئی زبان ان پر آہ کرنے والی، ان کی موت پر غم و حزن کا مرثیے نہیں پڑھے گئے، بلکہ مسرت و شادمانی کے نغمے گائے گئے اور پورے ملک میں اس شان سے خوشیاں منائی گئیں کہ گویا یہ عید کا دن ہے۔ افسوس کہ قذافی اپنی

آزمائش کے آخری دنوں میں بھی اپنی اسلام دشمنی کو چھپا نہیں سکے، انہوں نے آزادی کی جدوجہد کو بغاوت قرار دیتے ہوئے ''القاعدہ'' اور ''الاخوان المسلمین'' کو اس کا ذمہ دار قرار دیا، تاکہ مغربی آقاؤں کی تائید حاصل کرسکیں، انہوں نے اپنی تقریر میں نوجوانوں کو جوش دلاتے ہوئے کہا، تم شراب پیو، ناچو، گاؤ، عیش کرو اور ان جھگڑوں میں نہ پڑو، بعد کو ان کے دفتر سے جو خفیہ دستاویزات سامنے آئی ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ بظاہر وہ مغرب کے خلاف تھے، لیکن حقیقت میں وہ اس کے آلۂ کار تھے، سوڈان میں انتشار اور بدامنی پھیلانے میں مغربی طاقتیں ان کو استعمال کررہی تھیں، شمالی سوڈان سے جنوبی سوڈان کو الگ کرنے میں بھی ان کی خفیہ تائید شامل تھی، اور دارفور کے حالات کو بگاڑنے میں بھی ان کا نمایاں حصہ تھا، وہ افریقہ سے مختلف مسلم ملکوں کو ایک دوسرے کے خلاف اکساتے تھے، یہ بھی انکشاف ہوا کہ ان کی ذاتی دولت جو مغربی ملکوں میں محفوظ ہے، کئی سوٹن سونے کے برابر ہے، اس سے شاید فراعنۂ مصر کی روح بھی شرمندہ ہوگئی ہوگی، جو اپنی لاش کے ساتھ سونے کے زیورات اور جواہرات دفن کرنے کی وصیت کر جاتے تھے، ان بے چاروں کو ایسی دولت کہاں نصیب ہوئی ہوگی؟

بحیثیت مسلمان ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ایسے واقعات میں عبرت و موعظت کے پہلو تلاش کریں اور اپنے اپنے دائرہ میں اس کو مشعل راہ بنائیں، قرآن نے دنیا میں جن حکمرانوں کی ہلاکت و بربادی کا ذکر کیا ہے، ان سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ وہ تکبر کے مرض میں مبتلا ہوگئے تھے، قرآن نے سب سے زیادہ جس جابر گروہ کے رویہ کا ذکر کیا ہے، وہ فرعون مصر اور اس کی قوم ہے، اور بار بار ان کا یہی مزاج بتایا گیا کہ وہ ایک متکبر گروہ تھے: (واستکبر ھو و جودہ فی الارض بغیر الحق وظنوا انھم الینا لا یرجعون) (القصص: ۳۹) نیز فرمایا گیا: (فاستکبروا و کانوا قوماً عالین) (المومنون: ۴۶) یعنی فرعون اور اس کی قوم نے تکبر کا راستہ اختیار کیا اور وہ لوگ تھے ہی بڑے مغرور اور اپنی برتری کے احساس میں مبتلا، جن قوموں پر عذاب آیا وہ اسی لئے کہ ان میں کبر و تعلّی اپنے حدود کو پار کرچکی تھی، حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر بھی عذاب آیا، قرآن مجید نے ان کے کبر و غرور اور دوسروں کو حقیر سمجھنے کا نقشہ بھی کھینچا ہے، (الاعراف: ۷۵) حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے بارے میں بھی قرآن کہتا ہے کہ وہ لوگ متکبر ہوگئے تھے، (الاعراف: ۸۸) حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے ان کے غرور و تکبر اور دعوت حق کی تحقیر کا گلہ کیا ہے، (نوح: ۷) قوم عاد جو اللہ کی معذب قوموں میں ہے، قرآن نے ان کے غرور و تکبر کا بھی خوب نقشہ کھینچا ہے۔ (الفصلت: ۱۵) اور ان تمام باطل قوموں کا سرچشمہ یعنی شیطان لعین کو جس چیز نے راندۂ درگاہ کردیا تھا، وہ بھی یہی تکبر کی بیماری تھی: (الا ابلیس ابیٰ واستکبر) (البقرۃ: ۳۴)۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کبر و تعلّی کی بیماری کسی فرد یا گروہ میں داخل ہوتی ہے تو اسے مختلف ذہنی اور نفسیاتی امراض کا شکار بنادیتی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنی بات کو حرف آخر سمجھنے لگتا ہے، اور اپنے ہی بہی خواہوں کے مشوروں پر عمل کرنا تو کجا ان کے سننے کا بھی روادار نہیں ہوتا، قرآن کے الفاظ میں: (واذا تتلیٰ علیہ آیاتنا ولیٰ مستکبرا کان لم یسمعھا کان فی اذنیہ وقرا) (لقمان: ۷) یعنی کبر و غرور کی وجہ سے اَن سنی کردیتا ہے اور اپنے نقطۂ نظر سے ہٹ کر کسی بات کا سننا ان پر بوجھ ہوتا ہے: (یسمع آیات اللہ تتلیٰ علیہ ثم یصر مستکبراً کان لم یسمعھا) (الجاثیۃ: ۸) چنانچہ معروف محدث حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ کبر انسان کو حق کو قبول کرنے کی استعداد سے محروم کردیتا ہے: "بان یمنع قبول الحق" (فتح الباری: ۱۰/۴۸۹) اس کا دوسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو عام انسانوں سے بالاتر ایک گروہ خیال کرنے لگتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اصول و قوانین اس کی ذات سے فروتر چیز ہے، جیسا کہ قرآن نے فرعون

کے بارے میں کہا: (فاستکبروا و کانوا قوما عالین) (المومنون:۴۶) اسی طرح اللہ نے شیطان کو اس کے تکبر آمیز رویہ پر فرمایا: (استکبرت ام کنت من العالین) (ص:۷۵)

تکبر کی ایک نفسیات یہ بھی ہے کہ وہ کسی حزب اختلاف اور اپوزیشن کو گوارا نہیں کرتا، چنانچہ قرآن نے قوم شعیب کے متکبرانہ رویہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا کہ یا تو تم ہمارے نقطۂ نظر کو قبول کرلو یا تم کو اور تمہارے ماننے والوں کو ہم اپنے شہر سے نکال باہر کردیں گے: (قال الملاء الذین استکبروا من قومہ لنخرجنك یا شعیب والذین آمنوا معك من قریتنا او لتعودن فی ملتنا) (الاعراف:۸۸) اقتدار کا طویل عرصہ ان میں یہ احساس پیدا کردیتا ہے کہ ہم سب سے زیادہ طاقتور ہیں اور ہمارے مقابلہ سارے لوگ کمزور وحقیر: (وقالوا من اشد منا قوۃ) (الفصلت:۱۵) وہ دوسروں کو تحقیر کی نظر دیکھنے لگتا ہے، جس کو قرآن مجید نے ''استنکاف'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، (النساء:۱۷۳) پھر کبر وغرور جب دل ودماغ کی آخری سرحدوں تک اپنا سفر طے کرلیتا ہے تو اس میں اپنے قول وفعل کے بارے میں جواب دہی کا احساس ختم ہوجاتا ہے: (وظنوا انھم الینا لا یرجعون) (القصص:۳۹)

کبر وغرور یوں تو ہر فرد کے لئے دنیا وآخرت میں نقصان دہ ہے: لیکن جس گروہ کے ہاتھ میں اقتدار کی باگ ڈور ہو، اگر وہ اس مرض میں مبتلا ہوجائے تو وہ قوم کے لئے کینسر اور ناسور بن جاتا ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر ظالم حکمرانوں کی مذمت فرمائی اور انہیں ان چار لوگوں میں شمار کیا جن کو اللہ تعالیٰ بہت ناپسند فرماتے: (سنن النسائی عن ابی ہریرہؓ:۵/۸۶)

افسوس کہ اسلام نے دنیا سے ملوکیت کو ختم کیا اور آمریت کی جگہ خلافت کو وجود بخشا، لیکن صورت حال یہ ہے کہ اس وقت مسلم ممالک بدترین قسم کی آمریت کے پنجۂ استبداء میں پھنسے ہوئے ہیں، اگر اس صدی کے ظالم حکمرانوں کی فہرست تیار کی جائے تو ان کی اکثریت کا تعلق عالم اسلام سے اور عالم اسلام میں بھی عالم عرب سے ہوگا، تیونس، پھر مصر اور اس کے بعد لیبیا میں ظلم وجور کے یہ بت زمین بوس ہوچکے ہیں، شام اور یمن میں آزادی کی تحریک انگڑائی لے رہی ہے اور قریب ہے کہ وہاں کے ظالم حکمرانوں کا بھی وہی حشر ہو، خدا کرے کہ یہی آگ الجزائر تک بھی پہنچے اور وہاں کے آمروں کے قلعہ اقتدار کو ریزہ ریزہ کردے اور پھر ان خاکستروں سے اسلامی اقدار اور امن وآشتی کی ایک نئی اور روشن صبح طلوع ہو، جس کی روشنی عالم اسلام کے چپہ چپہ کو روشن کردے اور اس کی شعاعوں سے مغرب کے پھیلائے اندھیرے رخت سفر باندھنے پر مجبور ہوجائیں۔

یہ مسئلہ نہ صرف حکومتوں کا ہے، بلکہ مسلم تنظیموں اور مسلمانوں کی اکثر جماعتوں کا بھی ہے، جہاں فرد کی اہمیت جماعت سے بڑھ جاتی ہے، جہاں شورائیت کو پنپنے نہیں دیا جاتا، جہاں اصول وقواعد کی حکمرانی کے بجائے صرف ایک شخص کی رائے سکۂ رائج الوقت بن جاتی ہے اور زبان بندی کے ماحول میں زبانیں بات کہنے کو ترستی ہیں، اس شخصی وخاندانی اقتدار وحکمرانی اور اختیارات کے ارتکاز کی وجہ سے باہمی اختلاف وانتشار پیدا ہوتا ہے، ترقی کا عمل رک جاتا ہے، ایک شخص کے گذرنے کی وجہ سے تنظیمیں دولخت اور سہ لخت ہوجاتی ہیں، نیز نوجوانوں اور نئی صلاحیتوں کو ابھرنے کا موقع نہیں مل پاتا، اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ کرنل قذافی، حسنی مبارک اور زین العابدین ابن علی نیز اس طرح کے دوسرے لوگ نہ صرف مسلم حکمرانوں کے لئے سرمایۂ عبرت ہیں، بلکہ اس میں مسلم تنظیموں، جماعتوں اور اداروں کے لئے بھی سبق ہے کہ وہ آمریت کے بجائے شورائیت، اختیارات کے ارتکاز کے بجائے تقسیم، شخصیتوں کے بجائے مقاصد اور انفرادیت کے بجائے اجتماعیت کو اہمیت دینا سیکھیں، نیز تکبر، دوسروں کی تحقیر اور مفید مشوروں پر ناگواری کی اس کیفیت سے اپنے آپ کو بچائیں، جو اکثر اقتدار کے تسلسل سے پیدا ہوتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

حُبِّ الٰہی کے تقاضے

شہید حکیم محمد سعید

اپنے محسن سے محبت، اس سے لگاؤ اور اس کی چاہت انسان کی گھٹی میں ہے۔ جس طرح انسان کا سب سے بڑا محسن اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح احسان مندی میں مومن کا کوئی مقابل نہیں احسان مندی اور منت پذیری کا جذبہ جو اظہار و اقرار محبت کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے، بندۂ مومن سے زیادہ کسی میں نہیں ہوسکتا۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے: ''وہ جو ایمان والے ہیں تو وہ خدا کی محبت میں بڑے ہی پکے ہوتے ہیں۔'' (سورہ البقرۃ:۱۶۵)

انسان کی زندگی میں خدا سے محبت کے مظاہر ہمیشہ سے نمایاں رہے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنی زندگی کی راہیں خود متعین کرنے کی جسارت کی، ان کو بھی اس جذبۂ محبت کے اظہار کیلئے اپنی طرف سے طریقے گھڑنے پڑے، چونکہ یہ طریقے خدا کی طرف سے نہیں تھے اس لئے انسانی فطرت کے مطابق بھی ثابت نہیں ہوئے۔

مثلاً انسان نے یہ سوچا کہ خدا سے محبت کے اظہار کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ وہ مردم بے زار ہوجائے اور یہ سوچ کر وہ جنگلوں میں جا بسا۔ اس نے سوچا کہ خدا سے محبت کا اظہار خود کو فنا کردینے کے علاوہ اور کسی ذریعے سے نہیں ہوسکتا تو اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ اس طرح کی اور بہت سی مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں اور ان لوگوں میں آج بھی دیکھی جاسکتی ہیں جنہیں ربانی ہدایت سے استفادہ کی توفیق نہیں ہوئی۔

قرآن مجید نے خدا سے محبت کے ان خودساختہ انسانی مظاہر کو رہبانیت کا نام دیا۔ ارشاد ربانی ہے: یہ رہبانیت انہوں نے خود گھڑلی ہے۔ اللہ نے انہیں اس کا حکم نہیں دیا تھا۔'' اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اسلام میں رہبانیت کی گنجائش نہیں۔'' اس کے برخلاف قرآن نے اللہ سے محبت کا جو طریقہ بتایا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ کہلوایا: ''اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، پھر اللہ بھی تم سے محبت کرنے لگے گا۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ سے محبت کے اظہار کا صحیح طریقہ اختیار کیا جائے تو اس کے نتیجے میں خود اللہ بھی بندوں سے محبت کا وعدہ فرماتا ہے۔ آیئے اب یہ دیکھیں کہ اللہ کن لوگوں سے محبت فرماتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے: ''اللہ دوسروں کے ساتھ بھلائی سے پیش آنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: ''دوسروں پر زیادتی کرنے والے اللہ کے محبوب نہیں ہوسکتے۔''

ایک دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے: ''انصاف کرنے والے اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔'' ایک آیت میں اہل ایمان کی یہ صفات بیان فرمائی ہیں: یعنی: ''مومن غصہ پی جانے والے ہوتے ہیں، لوگوں کی خطاؤں اور غلطیوں سے درگزر کرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ کو ایسے نیکوکار محبوب ہیں۔''

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: ''یہ ایمان والے خدا کی محبت میں حاجت مندوں، بے سہارا یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

ان تمام آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کن لوگوں سے محبت کرتا ہے اور پھر کون سے اعمال ہیں جن کے نتیجے میں یا جن کی جزا یہ بتائی گئی ہے کہ اللہ ایسے بندوں سے محبت کرتا ہے جو ایسے اعمال کرتے ہیں۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ نمایاں اعمال وہ ہیں جن کا تعلق بندوں کے ساتھ احسان اور نیک سلوک سے ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے انسان کے لئے عقائد واعمال کا جو تصور قائم کیا ہے اس کی بنیاد تمام تر رحمت ومحبت پر رکھی ہے۔ وہ انسان کی روحانی زندگی کو فطرت کے عالم گیر کارخانے سے کوئی الگ اور غیر متعلق چیز قرار نہیں دیتا، بلکہ اسی کارسازِ فطرت نے اس کارخانۂ ہستی کی بنیاد رحمت پر رکھی ہے، ضروری تھا کہ اس گوشے میں بھی اس کے تمام احکام سرتا سر رحمت کی تصویر ہوں۔ چنانچہ قرآن نے جابجا یہ حقیقت واضح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بندوں سے رشتہ، محبت کا رشتہ ہے اور سچی عبودیت اسی کی عبودیت ہے، جس کیلئے معبود

صرف معبود ہی نہ ہو، بلکہ محبوب بھی ہے۔

لیکن بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کی محبت کی عملی راہ کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ اللہ کی محبت کی راہ اس کے بندوں کی محبت میں سے ہو کر گزرتی ہے۔ جو انسان چاہتا ہے کہ اللہ سے محبت کرے اسے چاہئے کہ اللہ کے بندوں سے محبت کرنا سیکھے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک حدیث کا ابتدائی حصہ اس طرح ہے کہ قیامت کے دن اللہ ایک بندے سے کہے گا: "اے ابن آدم! میں بیمار ہو گیا تھا، مگر تو نے میری بیمار پرسی نہ کی۔" بندہ متعجب ہو کر کہے گا: "بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے اور تو تو رب العالمین ہے۔" خدا تعالیٰ فرمائے گا: "تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ تیرے قریب بیمار ہو گیا تھا اور تو نے اس کی خبر نہ لی۔ اگر تو اس کی بیمار پرسی کے لئے جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔"

یہ تو اللہ سے محبت کا طریقہ تھا، لیکن اس محبت کے کچھ تقاضے بھی ہیں اور ان میں سے ہم مسلمانوں کے لئے اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ ہم قرآن کی حکومت قائم کریں، دستور الٰہی نافذ کریں اور اپنی زندگیوں کو اسلام کے سانچے میں ڈھال کر تمام دنیا کے لئے اسلامی زندگی اور اسلامی اخلاق و اقدار کا نمونہ پیش کریں۔ اگر ہم نے اپنا یہ وعدہ پورا نہیں کیا ہے اور اپنا یہ عزم پورا نہیں کیا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا راستہ نہیں ہو سکتا۔ تقاضائے محبت یہ ہے کہ ہم اپنے اس دعوے کو بہر حال اور بہر صورت پورا کریں۔ ہم اللہ سے محبت کریں اور اس کی زندگی کے ذرے ذرے سے ہمارا رشتۂ انس و خلوص قائم ہو۔

دنیا کے ہر فرد بشر ہماری محبت کا مستحق ہے۔ ہم کو ایک دوسرے سے محبت کرنی چاہئے اور ایک دوسرے کا احترام کرنا چاہئے۔ ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہئے اور ہمارے معاشرے کو ایک پر امن، ایک پیارا اور ایک اسلامی معاشرہ بنانا چاہئے۔ درحقیقت یہی ثبوت ہوگا اور مظہر کہ ہم کو اللہ سے محبت ہے اور پھر ہم اس کی رحمت و نعمت کے مستحق ہوں گے اور اللہ کا فضل و کرم ہماری زندگیوں میں انقلاب برپا کر دے گا۔ آیئے ہم سب مل کر دست دعا دراز کریں۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر چلائیں۔ آمین۔

رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۸ صفحات کے اس رسالے کی انتہائی کم (فی شمارہ صرف پندرہ روپئے اور سالانہ خریداری 150/روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم "ادارہ رضوان" کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زر سالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور منی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاددہانی ہو سکے۔

یاد رکھئے! زر سالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہٰذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زر سالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ "رضوان" خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرما دیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔

آپ کا تعاون اس دینی سعی و کاوش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور "رضوان" کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کے لئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

مولانا آصف نسیم

سید الشہداءؓ پر نبی کریمؐ کا حزن و ملال

یہ شہداء ہیں جن کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں ان کے حق میں گواہ رہوں گا۔" بے شک جو شخص راہ خدا میں زخمی کیا جاتا ہے۔ (یا مارا جاتا ہے) رب تعالیٰ روز قیامت اس کو اس حال میں اٹھائیں گے کہ اس کے بدن سے خون بہہ رہا ہوگا اور رنگ تو خون کا ہوگا مگر اس کی خوشبو مشک کی ہوگی۔ (ابن ہشام۔ ج ۲، ص ۹۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شہداء کے ہتھیار اور پوستین کے لباس تو اتار لئے تھے مگر غسل دیے بغیر انہی کپڑوں میں انہیں دفن کر دیا تھا۔

شہادت کی اس قدر فضیلت و عظمت کے باوجود بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حمزہؓ کی لاش کو دیکھ کر نہایت حزن و ملال ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت غمگین ہوئے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احد کے دن حضرت حمزہؓ کے پاس سے گزرے اس حال میں کہ ان کی ناک کاٹ کر مثلہ بنا دیا گیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر (ان کی بہن، میری پھوپھی) صفیہ اپنے جی میں کوئی بات محسوس نہ کریں (اور ان کو حزن و ملال نہ ہو) تو (میں چاہتا ہوں کہ) انہیں ایسے ہی چھوڑ دوں حتیٰ کے جنگل کے درندے ان کو نوچ کھائیں حتیٰ کہ روز قیامت رب تعالیٰ انہیں پرندوں اور درندوں کے پیٹوں سے جمع کریں۔ (ترمذی، ابوداؤد)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حمزہؓ سے بہت محبت تھی ان کی لاش دیکھ کر بے اختیار فرمایا:

"جہاں تک میں جانتا ہوں بیشک آپ بہت ہی زیادہ صلہ رحمی کرنے والے، صدقات و خیرات کرنے والے تھے، خدا کی قسم اگر آپ کے بعد حزن و ملال (کا اندیشہ) نہ ہوتا تو میں اس بات سے خوش ہوتا کہ آپ (کی میت) کو (یونہی) چھوڑ دوں حتیٰ کہ رب تعالیٰ (روز قیامت) آپ کو درندوں کے پیٹوں سے جمع کریں۔ خدا کی قسم! میں آپ (کے بدلے میں آپ) جیسے ستر لوگوں کا مثلہ کروں گا۔ اس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ ارشاد باری تعالیٰ لے کر نازل ہوئے۔

"فان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به. والذين هم محسنون."

ترجمہ: اور اگر تم ان کو تکلیف دینا چاہو تو انہی ہی دو جتنی تکلیف تم کو ان سے پہنچی اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کیلئے بہت اچھا ہے اور صبر ہی کرو، تمہارا صبر بھی خدا ہی کی مدد سے ہے اور ان کے بارے میں غم نہ کرو اور جو یہ اندیشہ کرتے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہو۔ کچھ شک نہیں کہ جو پرہیزگار ہیں اور نیکوکار ہیں، خدا ان کا مددگار ہے۔" (النحل۔ ۱۲۶-۱۲۸)

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر فرمایا اور قسم کا کفارہ ادا کر کے اپنا ارادہ فسخ فرمایا۔ (مستدرک حاکم: ۳/۱۹۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہؓ کی لاش کو تلاش کرتے کرتے بطن وادی میں جا نکلے تھے۔ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاش کو کان اور ناک کٹا مثلہ کیا ہوا پایا۔ یہ دلخراش اور دلدوز منظر دیکھ کر بے اختیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت حمزہؓ کو (اس حال میں) دیکھا تو رو پڑے اور ہچکی بندھ گئی اور فرمایا:

"روز قیامت اللہ کے نزدیک تمام شہیدوں کے سردار حمزہؓ ہوں گے۔ (مستدرک حاکم۔ ج-۳، ص ۱۹۹)

اور حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمام شہیدوں کے سردار حمزہ بن عبدالمطلب ہیں۔" (معجم

طبرانی) اس لئے حضرت حمزہؓ سید الشہداء“ کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ یہ ان کا دنیا و آخرت دونوں میں لقب ہوگا۔

حضرت حمزہؓ پر رونے کی آواز جب انصار کی عورتوں نے سنی تو وہ اپنے اپنے شہیدوں پر رونے لگیں تو بے اختیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہائے افسوس!) مگر حمزہؓ پر رونے والیاں کوئی نہیں“۔

انصاری کی خواتین کو جب یہ بات پہنچی تو انہوں نے حضرت حمزہؓ پر بھی رونا شروع کیا۔ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خواب استراحت فرمانے لگے۔ بیدار ہوئے تو کیا دیکھا کہ وہ ابھی تک رو رہی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تمہارا بھلا ہو کیا تم اس وقت سے رو رہی ہو آج رو لو آج کے بعد کسی شہید پر نہ رونا۔“ (ابن ماجہ، ابو یعلی، مسند احمد)

حضرت صفیہؓ جب میدان جہاد میں اپنے بھائی کی لاش دیکھنے کے لئے تشریف لائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ سے فرمایا، انہیں واپس لے جائیں کہ اپنے بھائی کا حال نہ دیکھیں۔“

حضرت صفیہؓ نے عرض کیا ”کیوں؟ مجھے اپنے بھائی کا حال معلوم ہو چکا ہے کہ ان کا مثلہ کر دیا گیا ہے لیکن راہ خدا میں ہے اس لئے میں اس پر راضی ہوں، میں صبر کروں گی اور اجر کی امیدوار رہوں گی۔ اس کے بعد حضرت حمزہؓ کی لاش کی زیارت کی اناللہ پڑھی اور دعا کی اور اللہ سے ان کی مغفرت مانگی اور آپ پر غم کرتے ہوئے یہ اشعار پڑھے۔

دعاہ الہ الحق ذوالعرش دعوۃ
الی جنۃ یحیا بہا و سرور

”سچے معبود عرش والے نے انہیں ایک (سچی) بات کی طرف (یعنی) جنت کی طرف (اور جنت کی) خوشیوں کی طرف بلایا جس کے ذریعے وہ زندہ رہیں گے۔“

(مسند احمد، ابو یعلی، ابن ماجہ وغیرہ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انہیں حضرت عبداللہ بن جحشؓ جو آپ کے رضاعی بھائی تھے اور بھانجے بھی، کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا۔ (الرحیق المختوم۔ ص ۳۸۲)

حضرت حمزہؓ کی شہادت کا غم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہ بھولا اس کو یاد ہی کرتے رہے۔ فتح مکہ کے بعد وفد طائف کے ساتھ وحشی مشرف بہ اسلام ہونے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے لوگ انہیں دیکھ کر کہنے لگے:

”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ رہے وحشی، آپ کے عم محترم کے قاتل۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اسے چھوڑ دو کہ ایک شخص کا مسلمان ہونا میرے نزدیک ہزار کافروں کے قتل سے کہیں بہتر ہے۔“

بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ نے وحشی سے حضرت حمزہؓ کی شہادت کے واقعہ کو دریافت فرمایا۔ انہوں نے تعمیل ارشاد میں نہایت خجالت و ندامت کے ساتھ سب کچھ گوش گزار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب سن کر ان کا اسلام قبول فرمایا۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک میں حضرت حمزہؓ کا غم ہر وقت تازہ رہتا تھا اس لئے فرمایا:

”اگر تم سے ہو سکے تو میرے سامنے نہ آیا کرو کہ تمہیں دیکھ کر چچا کا غم (اور) تازہ ہو جاتا ہے۔“ (فتح الباری)

سید الشہداء بھی ”غسیل الملائکہ“ ہیں

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں

”حضرت حمزہؓ اور حضرت حنظلہ بن راہبؓ دونوں نے حالت جنابت میں شہادت پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میں نے فرشتوں کو دیکھا وہ ان دونوں کو غسل دے رہے ہیں۔ (طبرانی معجم کبیر)

ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ”عم رسول حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ شہید کر دیئے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”فرشتوں نے ان کو غسل دیا۔“ (مستدرک حاکم، طبقات ابن سعد)

شاید اس لئے حضرت حسن بصریؒ اس حدیث کی بنا پر شہداء کے غسل کا فتویٰ دیا کرتے تھے۔ جب کہ دوسری روایات میں حضرت حمزہؓ کے دفن کا تفصیلی واقعہ مذکور ہے۔

حضرت ابو اسید ساعدیؓ فرماتے ہیں

”میں حضرت حمزہؓ کی قبر پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا...... ان پر ایک سیاہ دھاری دار چادر ڈالی گئی، چہرہ پر ڈالی جاتی تو پاؤں کھل جاتے، پاؤں ڈھانپے جاتے تو چہرہ کھل جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”یہ چادر ان کے منہ پر ڈال دو اور پاؤں پر گھاس کے پتے ڈال دو۔“

راوی کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ لوگ رو رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا ”تم کیوں رو رہے ہو؟“

(بقیہ......صفحہ......۳۲......پر)

مولانا سید احمد ومیض ندوی

دین پر عمل آوری، جان و مال کے تحفظ کی ضامن

احکام الٰہی پر عمل آوری کو انسان اپنے لئے بوجھ تصور کرتا ہے جب کہ اس میں اس کا بھلا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پاکیزہ شریعت انسانوں کے لئے رحمت ہی رحمت ہے۔ لیکن حضرت انسان کی بدنصیبی ہے کہ وہ ہر لحہ شریعت سے دامن چھڑانے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے بے پناہ محبت ہے وہ چاہتے ہیں کہ بندے دنیا میں بھی سرخرو ہوں اور آخرت میں بھی انہیں ابدی سعادت حاصل ہو جائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے دین و شریعت کی شکل میں ایسے احکام فرض کئے ہیں جو بندوں کے لئے دنیا میں بھی خیر و سعادت کے ضامن ہیں اور آخرت میں لازوال کامیابی عطا کرتے ہیں۔ انسان اسلامی فرائض پر عمل کر کے جان و مال کا تحفظ حاصل کر سکتا ہے۔ اسلامی فرائض اور شرعی تعلیمات کا اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے اور فرائض و واجبات کو اس لئے ادا کرتا ہے کہ خدا اور رسول نے ان کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔ لیکن شرعی امور کی ادائیگی میں انسان کو بے شمار دنیوی فوائد بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ اسلامی فرائض و تعلیمات سے کس طرح جان و مال کا تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ اس کے لئے ذیل میں دو سچے واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔ ان واقعات سے ایک انسان خدا اور رسول کے وعدوں کی سچائی کا اپنی نگاہوں سے مشاہدہ کرتا ہے۔ حدیث میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”تداروا مرضاکم بالصدقۃ“ تم اپنے بیماروں کا علاج صدقہ کے ذریعہ کرو۔ یعنی صدقہ سے بیماریوں کا دفعیہ ہوتا ہے۔ صدقہ ایک دینی عمل ہے جس کی قرآن و حدیث میں بار بار ترغیب دی گئی ہے۔ اس سے انسان کو جان کا تحفظ کیسے حاصل ہوتا ہے؟ اور صدقہ کے سبب انسان مہلک بیماری سے کیسے شفا حاصل کرتا ہے؟ ذیل کے واقعہ سے اس کا اندازہ لگائیں۔

ڈاکٹر عیسیٰ مرزوقی شام کا باشندہ ہے۔ پیشہ سے طبیب تھا اور دمشق کے ایک اسپتال میں کام کرتا تھا اچانک اس کی طبیعت خراب ہو گئی اور اس کو اسپتال میں داخل کر دیا گیا چیک اپ کے دوران معلوم ہوا کہ اسے کینسر موذی مرض لگ چکا ہے۔ اس کے ساتھ ڈاکٹروں نے علاج شروع کیا ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے اس کیس پر پوری توجہ دی۔ اس کی طبی رپورٹس اس کے سامنے تھیں مرض مسلسل بڑھ رہا تھا۔ بورڈ کی رائے کے مطابق وہ محض چند ہفتوں کا مہمان تھا۔ ڈاکٹر عیسیٰ خود نوجوان تھا اس کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی تاہم منگنی ہو چکی تھی۔ اس کی منگیتر سے لوگوں نے کہا کہ تمہیں منگنی توڑ دینی چاہئے کیونکہ تمہارا ہونے والا خاوند کینسر کا مریض ہے۔ مگر اس نے سختی سے انکار کر دیا۔ ادھر ڈاکٹر عیسیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پڑھ رکھی تھی۔ ”تداروا مرضاکم بالصدقۃ“۔ اپنے مریضوں کا علاج صدقہ سے کرو۔ ایک دن وہ مایوسی کے عالم میں بیٹھا تھا کہ اسے اچانک مذکورہ حدیث یاد آ گئی وہ اس کے الفاظ پر غور کرتا رہا سوچتا رہا پھر اچانک اس نے سر ہلایا اور بول اٹھا کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو پھر مجھے اپنے مرض کا علاج صدقہ کے ذریعہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ میں دنیاوی علاج بہت کر چکا ہوں اور بہت ہو چکا۔ اس کو ایک ایسے گھرانے کا علم تھا جس کا سربراہ وفات پا چکا تھا اور اس کے

اہل خانہ نہایت کسمپرسی کی زندگی گزار رہے تھے بیماری کے دوران اس کی جمع شدہ پونجی بھی خرچ ہو چکی تھی تاہم جو معمولی رقم موجود تھی اس نے اپنے ایک قریبی دوست کی وساطت سے اس گھرانے کو ارسال کردی اور ان پر سارے قصے کو واضح کردیا کہ وہ اس صدقہ کے ذریعہ اپنے مرض کا علاج کرنا چاہتا ہے لہٰذا مریض کے لئے شفا کی دعا کریں۔ چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سچ ثابت ہوئی اور وہ بتدریج تندرست ہوتا گیا۔ ایک دن وہ ڈاکٹروں کے بورڈ کے سامنے دوبارہ پیش ہوا اس کے علاج پر مامور ڈاکٹر حیران وششدر رہ گئے کہ اس کی رپورٹیں اس کی مکمل صحت یابی کا اعلان کررہی تھیں۔ اس نے بورڈ کو بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق علاج کیا ہے۔ وہ اب مکمل طور پر تندرست تھا۔ اس نے ڈاکٹروں کو بتایا کہ بلاشبہ میں تقدیر پر ایمان رکھتا ہوں اور اس کا یہ بھی مفہوم نہیں کہ ظاہری اسباب اختیار نہ کئے جائیں اور بیماری کی صورت میں ڈاکٹروں سے بھی رجوع نہ کیا جائے۔ مگر حدیث رسول درست ہے، بلاشبہ ایک ایسی ذات موجود ہے جو بغیر کسی دوا کے بھی بیماروں کو صحت عطا کرسکتی ہے۔

(ہفت روزہ المسلمون شمارہ-۱۸)

صدقہ کے ذریعہ جان کا تحفظ کیسے حاصل ہوتا ہے۔ مذکورہ واقعہ اس کا ایک ہلکا سا نمونہ ہے۔ اسلامی فرائض پر عمل سے مال کا تحفظ کیسے ہوتا ہے اس کا ایک نمونہ ملاحظہ کیجئے۔ ذیل میں درج کیا گیا کوئی کہانی اور افسانہ نہیں بلکہ ایک سچا واقعہ ہے۔ جسے مولانا الیاس ندوی بھٹکلی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ واقعہ من و عن نقل کیا جارہا ہے۔

ابو: جلدی اٹھئے یہ دیکھئے ٹی وی چینل پر کیا خبر نشر ہورہی ہے۔ یہ بتارہے ہیں کہ کرلا میں واقع سٹی پلازا میں رات ۳ بجے اچانک آگ لگ گئی اور اس نے پورے کامپلیکس کو خاکستر کردیا۔ اکثر دوکانیں جل گئیں۔ ابو! جلدی اٹھئے چل کر دیکھتے ہیں کہ اس کامپلیکس میں موجود ہماری دوکان کا کیا حال ہوا ہے؟

یہ وہ الفاظ تھے جو گھبراہٹ میں صبح آٹھ بجے ٹی وی کی خبر سن کر عمران اپنے والد فخرالدین سے کہہ رہا تھا اس کی اس چیخ بھری آواز کا فخرالدین پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ چادر تان کر دوبارہ سو گیا لیکن کچن میں موجود اس کی امی نے یہ سنا تو وہ روتی ہوئی دوڑ کر بیڈ روم پہنچ گئی اور اپنے شوہر کی چادر کھینچتے ہوئے چیخنے لگی کہ سنتے نہیں عمران کیا کہہ رہا ہے وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی پھر غم سے نڈھال ہو کر صوفہ پر جاکر بیٹھ گئی وہ دل ہی دل میں سوچنے لگی یا اللہ اب ہمارا کیا ہوگا۔ ہمارے پورے گھر کا نہیں بلکہ پورے گھرانے کا خرچ اسی ایک دوکان سے چلتا ہے۔ عمران کی پھوپی یعنی فخرالدین کی بیوہ بہن اور اس کے بچوں اور اس سے بڑھ کر ہمارے محلہ کے کئی یتیم بچوں کا گزارہ بھی اسی دوکان پر تھا۔ یا اللہ ہم سے کونسا ایسا گناہ ہوگیا کہ جس کی وجہ سے ہمیں یہ دن دیکھنے پڑے۔ میرے شوہر کو کسی مظلوم کی بددعا نہیں لگ سکتی اس لئے کہ انہوں نے آج تک کسی کا دل نہیں دکھایا، کسی سائل کو واپس نہیں بھیجا، کسی غریب کو نہیں دھتکارا، کسی مسکین کو مایوس نہیں کیا۔ وہ تو مجھ کو ہمیشہ اس کی نصیحت کرتے رہے کہ خود بھوکے رہ کر بھی دوسروں کو کھلاؤ اور خاندان یا محلہ میں معلوم کرتے رہو کہ کوئی بھوکا تو نہیں سو رہا ہے۔ کوئی دواؤں کے لئے پریشان تو نہیں ہے۔ اکثر لوگ تو سال میں ایک دفعہ زکوۃ نکالتے ہیں لیکن ہم لوگ تو ہر مہینہ آمدنی کا ایک حصہ غریبوں اور مجبوروں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ہمارے کاروبار میں سود کا سایہ تک نہیں ہم نے کبھی کسی سے قرض نہیں لیا۔ یہ سب خیالات فہمیدہ کے دل میں آرہے تھے لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ گناہ آخر کیا ہوگیا۔ جو اتنا بڑا حادثہ ہوگیا اور غم وصدمہ کا یہ پہاڑ ان پر ٹوٹ پڑا۔ بیوی کے بار بار اٹھانے کی کوشش پر فخرالدین نے اپنی سر سے اپنی چادر ہٹا کر لیٹے لیٹے کہا: فہمیدہ سنو پریشان نہ ہو کرلا

میں سٹی پلازہ میں آگ لگی ہوگی اور اس میں موجود دوکانیں جل گئی ہوں گی لیکن سنو اس میں ان شاء اللہ ہماری دوکان نہیں جلی ہوگی تم اطمینان رکھو، فہمیدہ بولی کیا آپ نے خواب دیکھا ہے یا کسی فرشتہ نے آکر آپ کے کان میں کہا ہے یا آپ کے پاس کوئی جن ہے جس نے آکر آپ کو اطلاع دی ہے کہ اس آگ نے آپ کی دوکان کو پہچان لیا اور آپ پر ترس کھا کر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئی، شوہر نے کہا اگر تمہیں میری بات پر اعتبار نہیں تو عمران کے ساتھ جاکر ہماری دوکان دیکھ آؤ۔ فہمیدہ بولی مجھے یہ تو بتایئے کہ کس اعتماد پر آپ یہ بات کہہ رہے ہیں تاکہ مجھے بھی اطمینان ہوجائے۔ دس بجے معمول کے مطابق عمران اٹھا اور نہادھو کر آج اس نے معمول سے کچھ زیادہ ہی ناشتہ کیا حالانکہ گھر والوں نے اس حادثہ کی اطلاع سن کر ناشتہ کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ آج معمول کے خلاف عمران دوکان کو جارہا تھا کہ اس کے گھر والے بھی ساتھ تھے وہ راستہ بھر ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔ لیکن فخرالدین کسی مست قلندر کی طرح بے فکر ہو کر اپنے لیپ ٹاپ پر اپنے ای-میل چیک کررہا تھا۔ تھوڑی دیر میں گاڑی سٹی پلازہ پہنچ گئی۔ فائر بریگیڈ کی قطاریں دوکانداروں کا ہجوم، تماشائیوں کی بھیڑ، آج کچھ الگ ہی سا تھا، دوکاندار مایوسی کی حالت میں راکھ کے ڈھیر میں اپنا بچا کچا سامان تلاش کررہے تھے۔ اس دوران اچانک فہمیدہ کی نظر جب دور سے اپنی دوکان پر پڑی تو مارے خوشی کے اس کی زبان سے بے ساختہ بلند آواز سے الحمدللہ الحمدللہ کی آواز بلند ہونے لگی۔ آخری دوکان جو اس کامپلیکس میں جل گئی تھی اور جہاں تک آگ پہنچ کر رک گئی تھی وہ اس کے پڑوسی کے ایک ہول سیلر کی تھی جو نہ صرف کرلا بلکہ پوری ممبئی میں شہرت رکھتا تھا او۔ دوسرے مہاجن کو سود پر قرض بھی دیتا تھا وہیں جاکر آگ آگے بڑھنے والی تھی کہ فائر بریگیڈ کا عملہ پہنچ گیا اور اس نے آگ پر قابو پالیا۔ فخرالدین کی دوکان کو اس کے یقین واعتماد کے مطابق اللہ تعالیٰ نے الحمدللہ ہر طرح محفوظ رکھا۔ البتہ باہر سے شر دھویں کی وجہ سے کالا ہوگیا تھا۔ اس نے بسم اللہ کہہ کر دوکان کا تالا کھولا تو سامان بھی الحمدللہ ہر طرح محفوظ تھا۔ یہ حیرت انگیز ماجرا دیکھ کر فہمیدہ کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو آگئے اور وہ استغفراللہ پڑھ کر اللہ سے معافی مانگنے لگی۔ ان سب کی زبان پر بس ایک ہی جملہ تھا۔ ابو آپ ہمیں بتائیں کہ کس یقین کی بنیاد پر آپ کہہ رہے تھے کہ ہماری دوکان محفوظ ہے جلی نہیں، اس پر فخرالدین نے کہا کیا تم لوگوں نے اللہ کے رسول کی یہ حدیث نہیں سنی کہ جس میں اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ''زکوۃ نکالے ہوئے مال کی حفاظت کا ذمہ میرا ہے اور اس کو ہر طرح کی آفات وبلیات سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔'' صدقات وخیرات آنے والی آزمائشوں اور مصیبتوں کے لئے ڈھال بنتے ہیں اور اس کو آنے سے روکتے ہیں تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ زکوۃ یوں تو مال میں چالیسواں حصہ فرض ہے لیکن میں احتیاطاً بیسواں حصہ نکالتا ہوں اور میرا الحمدللہ کئی سال سے یہ معمول بھی ہے کہ ہر سال دوکان سے خرچ کے لئے جتنی رقم لیتا ہوں اس کا چوتھا حصہ لازماً اللہ کی راہ میں خرچ کے لئے الگ لیتا ہوں۔ ان سب باتوں کی وجہ سے مجھے اللہ کی ذات سے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے مال تجارت کو ضرور محفوظ رکھے گا اس ایمان واعتماد کی وجہ سے اس حادثہ میں میری دوکان کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حسب وعدہ حفاظت ہوئی یہ محض اس کی رحمت کا ایک چھوٹا سا منظر ہے۔'' بطور نمونے دو واقعات پیش کئے گئے ہیں۔ ورنہ جو لوگ خدا پر سچے یقین کے ساتھ روزمرہ کی زندگی میں شرعی اعمال کو برتتے ہیں۔ انہیں بار بار اس قسم کے تجربے ہوتے رہتے ہیں۔ آج ہم نے اسلام کو برتا نہیں جس کی وجہ سے ہم اس کی برکتوں سے محروم ہیں۔

محمد قمر الزماں ندوی
استاد مدرسہ نور الاسلام کنڈہ پرتاپگڑھ

بزم رفتہ کی سچی کہانیاں

گورنری یا درویشی

حضرت سعد بن عامرؓ جنگ خیبر سے پہلے مسلمان ہوئے اور بعد کی جنگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے، حضرت عمرؓ کے زمانے میں جنگ یرموک میں انہوں نے بڑے کارہائے نمایاں کئے اور حضرت عمرؓ نے انہیں حمص کا گورنر مقرر کردیا، گورنر ہونے کے بعد بھی آپ زہد و تقویٰ کی زندگی بسر کرتے تھے، حضرت عمرؓ کی طرف سے گورنروں کے لئے خاص وظیفے مقرر تھے۔ لیکن وہ اپنے گھوڑوں کی قلیل آمدنی پر گزارہ کرتے اور تمام وقت رعایا کی فلاح و بہبود اور ہمدردی میں صرف کرتے۔ حضرت عمرؓ جب حمص تشریف لے گئے تو انہوں نے فقراء و مساکین کی فہرست طلب کی، تاکہ حکومت کی طرف سے ان کے معاش کا انتظام کیا جائے۔ جب فہرست تیار ہوکر آئی تو اسی میں سعد بن عامر کا نام بھی تھا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ سعد بن عامر کون ہیں؟ فہرست تیار کرنے والے نے کہا: ''ہمارا امیر اور گورنر''۔ حضرت عمرؓ نے حیرت سے پوچھا یہ اپنا وظیفہ کیا کرتے ہیں؟ جواب ملا انہوں نے کبھی وظیفہ کو ہاتھ نہیں لگایا۔ حضرت عمرؓ نے فوراً ایک ہزار دینار ان کی خدمت میں بھیج دیئے۔ آپ نے تھیلی دیکھی انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ بیوی نے پوچھا کیا حادثہ ہوا؟ آپ نے فرمایا بہت خطرناک؟ بیوی نے پھر پوچھا کیا قیامت آگئی؟ آپ نے فرمایا: قیامت سے زیادہ خطرناک، دنیا فتنوں کو لے کر میرے پاس آئی ہے، اسی وقت تھیلی لشکر میں تقسیم کروادی اور سجدے میں گر کر خدا سے دعا مانگی۔

مجھے اس وقت پر رونا آتا ہے

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ایک واقعہ ان کی بیوی حضرت فاطمہ کی زبانی تاریخ میں موجود ہے، وہ کہتی ہیں: ایک بار میں ان کے پاس پہنچی، وہ نماز پڑھ کر چہرے پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے، اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے، میں نے پوچھا کیوں کیا ہوا؟ جواب میں فرمایا، فاطمہ! بہت برا ہوا، تم دیکھتی ہو رعایا کی ساری ذمہ داری میرے سر پر ہے، مجھے رہ رہ کر یہ خیال آتا ہے کہ ملک کے مختلف علاقوں میں راستوں اور سڑکوں پر غریب غرباء پڑے ہوں گے جو نانِ شبینہ کو ترستے ہوں گے، ایسے بیمار ہوں گے جن کا کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا، ایسے ننگے بدن ہوں گے جن کے تن پر کپڑا نہ ہوگا، دل شکستہ یتیم اور وہ بیوائیں ہوں گی جن کا ہمدم اور غمخوار کوئی نہ ہوگا۔ عمر رسیدہ بوڑھے اور کثیر العیال افراد ہوں گے جن کی پریشانی بیان سے باہر ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ ان سب کے بارے میں قیامت کے دن مجھ سے جواب طلب کیا جائے گا مزید برآں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی سامنا ہوگا سچ پوچھو تو اس وقت کی اپنی بے بسی اور بیچارگی پر مجھے اس وقت رونا آتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۰۱/۹)

دیانت وتقویٰ کی اعلیٰ مثال

حضرت امام احمد بن حنبلؒ گھر میں تشریف فرما ہیں۔ باہر کوئی صاحب دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں، امام صاحب اپنے صاحبزادے عبداللہ سے فرماتے ہیں دیکھو تو کون ہے؟ عبداللہ کہتے ہیں کوئی عورت ہے، اندر آنے کی اجازت چاہتی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اجازت دیتے ہیں خاتون اندر آتی ہے۔ اور سامنے باادب ہوکر سلام کرتی ہے اور بیٹھ جاتی ہے۔ عرض کرتی ہے۔ حضرت دو باتیں آپ سے

پوچھنی ہیں؟ امام صاحب فرماتے ہیں پوچھو۔ وہ گزارش کرتی ہے۔ حضرت! میں سوت کات کر گزر اوقات کرتی ہوں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تیل کم ہوجانے کی وجہ سے چراغ بجھ جاتا ہے۔ ایسی صورت میں چاند کی روشنی میں آجاتی ہوں، اور وہاں سوت کاتنا شروع کردیتی ہوں۔ چونکہ نادار ہوں اور زمانہ کی سختیوں میں گرفتار ہوں، اس لئے یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا کہ کام دوسرے روز پر اٹھا رکھوں دریافت طلب یہ بات ہے کہ جب میں سوت بیچوں تو آیا گاہک سے صاف کہہ دیا کروں کہ ''یہ سوت چراغ کی روشنی میں کاتا ہے اور یہ چاند کی روشنی میں۔''

امام صاحب نے سوال کیا کہ کیا دونوں میں فرق ہوتا ہے؟ خاتون نے جواب دیا۔ چاند کی روشنی چونکہ کم ہوتی ہے اس لئے اس کا کاتا ہوا سوت ذرا موٹا ہوتا ہے اور دوسرا نسبتاً باریک۔ امام صاحب فرماتے ہیں تمہارا فرض ہے کہ اتنا فرق بھی گاہک کو کھول کر بیان کردیا کرو معاملات میں اتنی دیانت تو ہونی ہی چاہئے۔

پوچھنے والی عورت اور جواب دینے والے کی اپنی ذمہ داریوں کا اندازہ کیجئے تقویٰ اور دیانت کا معیار کتنا اونچا ہے۔ خاتون کو اس سے تسلی ہوجاتی ہے۔

شکوہ کا خوف

وہی عورت دوسرا سوال کرتی ہے ''حضرت اگر بیمار بیماری کی تکلیف سے کراہنے لگے اور شدت الم سے چیخ و پکار کرے تو کہیں یہ اللہ کے حضور اس کا شکوہ تو متصور نہیں ہوگا؟ اللہ اکبر! ان بزرگوں کو اللہ کی خوشنودی اس حد تک مدنظر اور اس کی رضا یہاں تک مطلوب ہے کہ ہماری کوئی بات بھی اسے ناگوار نہ ہو۔

امام صاحب نے فرمایا: ارجو ان لا یکون۔ یعنی اس کی بے پایاں رحمتوں سے توقع یہی ہے کہ وہ ہماری مجبوریوں اور کمزوریوں کے پیش نظر اسے شکوہ قرار نہیں دیں گے۔ بلکہ اسے اپنی طرف رجوع اور التجا کا ہی ایک پیرایہ ٹھہرائیں گے۔ خاتون یہ سن کر رخصت چاہتی ہے امام صاحب اجازت دیتے ہیں اور وہ چل دیتی ہے۔ آہ یہ اس زمانے کی باتیں ہیں اور اس دور کے قصے ہیں جب مسلمان خدا سے ڈرتا تھا اور سمجھتا تھا کہ ان کا اللہ تعالیٰ سے براہ راست اس طرح کا معاملہ ہے۔

اس فتویٰ کو جاؤ لے جاؤ میں ہرگز روپیہ نہ لوں گا

حضرت مولانا محمد منیر احمد نانوتویؒ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے۔ ایک مرتبہ وہ مدرسہ کے ڈھائی سو روپے لے کر مدرسہ کی سالانہ کیفیت چھپوانے کے لئے دہلی آئے۔ اتفاق سے روپے چوری ہوگئے۔ مولوی صاحب نے اس چوری کی کسی کو اطلاع نہیں کی اور مکان پر آکر اپنی کوئی زمین وغیرہ فروخت کی اور ڈھائی سو روپے لے کر دہلی پہنچے اور کیفیت چھپوا کر لے آئے۔ کچھ دنوں کے بعد اس کی اطلاع اہل مدرسہ کو ہوئی۔ انہوں نے مولانا گنگوہیؒ کو واقعہ لکھا اور حکم شرعی دریافت کیا وہاں سے جواب آیا کہ مولوی صاحب امین تھے۔ اور روپیہ بلاتعدی کے ضائع ہوا ہے اس لئے ان پر ضمان نہیں۔ اہل مدرسہ نے مولوی محمد منیر صاحب سے درخواست کی کہ آپ روپیہ لے لیجئے۔ اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ دکھلایا۔ مولوی منیر احمد نانوتوی صاحب نے فتویٰ دیکھ کر فرمایا کہ کیا رشید احمد نے فقہ میرے ہی لئے پڑھی تھی۔ اور کیا یہ مسائل میرے ہی لئے ہیں۔ ذرا اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر تو دیکھیں۔ اگر ان کو ایسا واقعہ پیش آتا تو کیا وہ بھی روپیہ لے لیتے۔ جاؤ لے جاؤ اس فتویٰ کو۔ میں ہرگز روپیہ نہ لوں گا۔

آپ نے مجھے مارا کیوں نہیں؟

ایک مرتبہ حضرت علیؓ ایک کافر کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ قریب تھا کہ اس کے سینے میں خنجر گھونپ دیتے۔ مگر اس کمینے نے آپؓ کے چہرہ انور پر تھوک دیا۔ جب تھوک دیا تو بجائے اس کو قتل کرنے کے آپ رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے۔ وہ حیران ہو کر پوچھنے لگا، علی! آپ نے مجھے مارا کیوں نہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تجھے اللہ کی رضا کے لئے مارنا چاہتا تھا مگر جب تو نے میرے چہرے پر تھوکا تو پھر میرا ذاتی غصہ بھی شامل ہوگیا اور میں اپنے ذاتی غصے کی وجہ سے کسی کو قتل نہیں کرسکتا۔

حسنِ جواب

حضرت نظام الدین اولیاء (وفات ۱۳۲۵ء) کے ملفوظات میں آیا ہے کہ انہوں نے ایک مجلس میں کہا کہ خیر وشر دونوں کا خالق اللہ ہے۔ جس کو جو کچھ پہنچتا ہے، اسی کی مشیت سے پہنچتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے مشہور ایرانی صوفی ابوسعید ابوالخیر (وفات ۱۰۴۹ء) کا واقعہ بیان کیا کہ ایک دن وہ کیمپس جارہے تھے کہ راستہ میں ایک ناداں آدمی نے پیچھے سے ان کے سر پر ہاتھ سے مارا۔ انہوں نے پیچھے مڑکر دیکھا تو اس ناداں آدمی نے کہا، مجھے کیا دیکھتے ہو، کیا تم یہ نہیں کہا کرتے تھے کہ کسی کو جو کچھ پہنچتا ہے، خدا کی طرف سے پہنچتا ہے۔ اس کے جواب میں شیخ ابوسعید ابوالخیر نے یہ جملہ کہا: ''فرمود کہ ہم چنیں است ولے آں می بینم کہ کدام بدبخت را نامزد ایں کار کردہ اند'' یعنی یہ بات ایسی ہی ہے، لیکن میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ خدا نے کس بدنصیب کو اس کام کیلئے نامزد کیا ہے۔ یہ واقعہ حسن جواب کی ایک مثال ہے۔ (فوائد الفوائد صفحہ ۲۴۷)

یہ تیری کمی اور قصور کی بات نہیں

حکیم ترمذیؒ کو اللہ تعالیٰ نے دین کا بھی حکیم بنایا تھا اور دنیا کی بھی حکمت دی تھی۔ ترمذ کے رہنے والے تھے۔ اس وقت دریا آمو کے بالکل کنارے پر ان کا مزار ہے۔ آپ وقت کے ایک بڑے محدث تھے اور طبیب بھی۔ اللہ رب العزت نے آپ کو حسن وجمال اتنا دیا تھا کہ دیکھ کر دل فریفتہ ہوجاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو باطنی حسن وجمال بھی عطا کیا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے علاقے میں قبولیت عامہ عطا کر رکھی تھی۔

آپ عین جوانی کے وقت ایک دن مطب میں بیٹھے تھے کہ ایک عورت آئی اور اس نے اپنا چہرہ کھول دیا۔ وہ عورت بڑی حسین وجمیل تھی۔ کہنے لگی کہ میں آپ پر فریفتہ ہوں، بڑی مدت سے موقع کی تلاش میں تھی، آج تنہائی ملی ہے آپ میری خواہش پوری کریں۔ آپ کے دل پر خوف خدا غالب ہوا تو رو پڑے۔ آپ اس انداز سے روئے کہ وہ عورت نادم ہوکر واپس چلی گئی۔ وقت گزر گیا اور آپ اس بات کو بھول ہی گئے۔

جب آپ کے بال سفید ہوگئے اور کام بھی چھوڑ دیا تو ایک مرتبہ آپ مصلّٰی پر بیٹھے تھے۔ ایسے ہی آپ کے دل میں خیال آیا کہ فلاں وقت جوانی میں ایک عورت نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اس وقت اگر میں گناہ کر بھی لیتا تو آج میں توبہ کرلیتا۔ لیکن جیسے ہی دل میں یہ خیال گزرا تو رونے بیٹھ گئے۔ کہنے لگے، اے رب کریم! جوانی میں تو یہ حالت تھی کہ میں گناہ کا نام سن کر اتنا رویا کہ میرے رونے سے وہ عورت نادم ہوکر چلی گئی، اب میرے بال سفید ہوگئے تو کیا میرا دل سیاہ ہوگیا۔ اے اللہ! میں تیرے سامنے کیسے پیش ہوں گا۔ اس بڑھاپے کے اندر جب میرے جسم میں قوت ہی نہیں رہی تو آج میرے دل میں گناہ کا خیال کیوں پیدا ہوا۔ روتے ہوئے اسی حال میں سوگئے۔ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ پوچھا حکیم ترمذی تو کیوں روتا ہے؟ عرض کیا، میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! جب جوانی کا وقت تھا، جب شہوت کا دور تھا، اس وقت خشیت کا یہ عالم تھا کہ گناہ کی بات سن کر میں اتنا رویا کہ وہ عورت نادم ہوکر چلی گئی۔ لیکن اب جب بڑھاپا آیا ہے تو اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! میرے بال سفید ہوگئے لگتا ہے کہ میرا دل اسی قدر سیاہ ہوگیا ہے کہ میں سوچ رہا تھا کہ میں اس عورت کی خواہش پوری کردیتا اور بعد میں توبہ کرلیتا۔ میں اس لئے آج بہت پریشان ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا ''یہ تیری کمی اور قصور کی بات نہیں'' جب تو جوان تھا تو اس زمانے کو میرے زمانے سے قربت کی نسبت تھی۔ ان برکتوں کی وجہ سے تیری کیفیت اتنی اچھی تھی کہ گناہ کی طرف خیال ہی نہ گیا۔ اب تیرا بڑھاپا آگیا ہے تو میرے زمانے سے دوری ہوگئی اس لئے اب دل میں گناہ کا وسوسہ پیدا ہوگیا تھا۔''

(بقیہ......صفحہ......۴۰......پر)

مولانا محمد شریف احمد مظاہری

مسواک ایک اہم سنتِ رسول ﷺ

اللہ پاک نے ہماری ہدایت ورہنمائی کے لئے انبیاء ورسل اور کتب سماویہ کا سلسلۃ الذہب حضرت آدم علیہ السلام سے شروع فرماکر ہمارے محبوب فداہ ابی وامی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید پر ختم فرمادیا اور نبی کریمؐ نے قرآن مجید کی آیت ''لتبین للناس'' کے حکم پر عمل کرتے ہوئے مکمل تفسیر وتشریح فرمانے کے ساتھ "ما اٰتکم الرسول فخذوہ" کے تحت دین وشریعت کی اور بھی بہت سی باتیں بتلائی ہیں جن پر عمل کرنے سے ایک انسان فلاح دارین وشفاعت کا مستحق ہوسکتا ہے۔ اور اتباع سنت کی ترغیب دی کہ ''علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین'' (مشکوٰۃ) ''تم پر میری اور میرے تربیت یافتہ صحابہؓ خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوط تھامنا ضروری ہے'' اور سنتوں کو رواج دینے کی بڑی فضیلت بیان فرمائی کہ ''من احیاء سنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید'' (مشکوٰۃ) ''جو فساد امت کے زمانے میں ایک سنت زندہ کرے گا اس کو ۱۰۰ شہیدوں کا ثواب دیا جائے گا۔'' ایک شہید خدا کے لئے خلوص سے جان دینے والے کا اتنا ثواب ہے کہ اس کے جسم کے خون کا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے سے اس کی مغفرت کردی جاتی ہے۔ (الحدیث) فی زمانہ اہم سنتوں کے ساتھ ایک خاص بلکہ بہت اہم سنت مسواک سے عام طور پر جو لاپرواہی وبے اعتنائی برتی جارہی ہے اس کو احیاء کے سنت کی نیت سے لوگوں کو ترغیب وتوجہ دلانے کی غرض سے فضائل مسواک والی چند حدیث کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

(۱) حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں پیغمبروں کی سنتوں میں سے ہیں۔

(۱) حیاء۔ (۲) خوشبو۔ (۳) نکاح۔
(۴) مسواک۔ (ترمذی شریف)

گویا ان سنتوں پر عمل کرنا سب نبیوں کی سنتوں کو زندہ کرنا ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا ''اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ میری امت مشقت میں پڑ جائے گی تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔'' (مسلم شریف)

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مسواک منہ کو صاف کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔'' (نسائی شریف) اس وقت تو سبھی اطباء وحکماء کا مشورہ ہے کہ مسواک منہ کو بالکل صاف کرنے کے ساتھ بدبو وغیرہ سے روکتی ہے۔ ہاضمہ کے نظام کو درست کرتی ہے بلغم، صفرہ وغیرہ کو دور کرتی ہے۔

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مسواک کرکے دو رکعتیں پڑھنا بغیر مسواک کے ۷۰ رکعتیں پڑھنے سے افضل ہے۔'' (رواہ البزار، مجمع الزوائد)

ہمارے پاس پاکٹ کے لئے جگہ ہے، سل فونس کے لئے جگہ ہے، پن کے لئے جگہ ہے، گاڑی کی چابیوں کے لئے جگہ ہے، دستی کے لئے بھی جگہ ہے، اگر نہیں ہے تو ایک بالشت کی مسواک کے لئے جگہ نہیں ہے۔ وا اسفاہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک لمبی روایت ہے کہ جس میں آپ صلی اللہ نے فرمایا ''دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کی سنتوں میں سے ہیں اور اس میں اہمیت کے ساتھ

مسواک کو شمار فرمایا ہے۔" (مسلم شریف)

(۵) حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جب بھی جبرئیل میرے پاس آتے مجھے مسواک کرنے کی تاکید کی یہاں تک کہ مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ مسواک زیادہ کرنے کی وجہ سے میں اپنے مسوڑھوں کو چھیل نہ ڈالوں۔" (مسند احمد) اللہ اکبر کبیرا، مسواک کی اتنی تاکید بتلائی ہے کہ فرشتوں سے ملاقات کے لئے مسواک ضروری ہے۔ اور مخلوقات سماویہ ملائکہ مقربین کی پسندیدہ چیز ہے۔ بلکہ پچھلی حدیث میں گزر چکا ہے کہ رب العالمین کی بھی پسندیدہ چیز ہے۔

(۶) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دن یا رات میں جب سو کر اٹھتے وضو کرنے سے قبل مسواک فرماتے۔ (ابوداؤد شریف) اس سے اندازہ لگایئے کہ مسواک صرف نمازوں کے اوقات میں کئے جانے والے وضو کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ دن رات میں جب بھی وضو کرے مسواک کرنی چاہئے۔

(۷) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب بندہ مسواک کر کے نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو فرشتہ اس کے پیچھے کھڑا ہو جاتا ہے اور اس کی تلاوت خوب دھیان سے سنتا ہے پھر اس کے بہت قریب آجاتا ہے یہاں تک کہ اس کے منہ پر اپنا منہ رکھ دیتا ہے اور قرآن کریم کا جو لفظ اس نمازی کے منہ سے نکلتا ہے سیدھا فرشتہ کے پیٹ میں پہنچتا ہے (اور اس طرح یہ فرشتوں کا محبوب بن جاتا ہے) اس لئے تم اپنے منہ قرآن کریم کی تلاوت کے لئے صاف ستھرے رکھو یعنی مسواک کا اہتمام کرو۔" (رواہ البزار، مجمع الزوائد)

(۸) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کیلئے اٹھتے تو مسواک سے اپنے منہ کو اچھی طرح رگڑ کر صاف کرتے۔ (مسلم شریف)

(۹) حضرت شریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف لاتے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے؟" انہوں نے فرمایا "سب سے پہلے آپ مسواک کرتے تھے۔" (مسلم شریف) ہم اپنے بارے میں غور کرلیں کہ ہم کس سے ابتدا کرتے ہیں؟

(۱۰) حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے کسی نماز کے لئے اس وقت تک نہیں نکلتے تھے جب تک مسواک نہ فرما لیتے۔ (طبرانی، مجمع الزوائد)

(۱۱) حضرت ابوخیرہ صباحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس وفد میں شامل تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پیلو کے درخت کی لکڑیاں مسواک کرنے کے لئے توشہ میں دیں۔ ہم نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے پاس (مسواک کیلئے) کھجور کے درخت کی ٹہنیاں موجود ہیں لیکن ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اکرام اور عطیہ کو قبول کرتے ہیں۔ (طبرانی، مجمع الزوائد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھجور، نیم و دیگر لکڑیوں کو بھی مسواک کے لئے استعمال کرسکتے ہیں۔ لیکن بہتر زیتون اور پیلو کے درخت کی ہے، آج کل پیلو کی مسواک رائج ہے۔ اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ مسواک کا ہدیہ لیتے دیتے رہنا چاہئے۔

(۱۲) حضرت عطاء ابن ابی رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابتدا میں مسواک کی لمبائی ایک بالشت ہونی چاہئے لیکن بعد میں کم ہو جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (سنن کبریٰ: ۱/۴۰)

(۱۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسواک پکڑنے کا مسنون طریقہ مروی ہے کہ مسواک دائیں ہاتھ میں اس طرح سے پکڑی جائے کہ انگوٹھا اور چھوٹی انگلی مسواک کے نیچے اور باقی

انگلیاں اوپر ہوں۔

(۱۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کانوں پر مسواک رکھتے اور ہر نماز کے وقت مسواک کرتے تھے۔ (بذل المجہود: ۱/۳)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ مسواک میں ستر فوائد ہیں ان میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کی برکت سے موت کے وقت کلمہ یاد آجاتا ہے اس کے برعکس افیون میں ستر نقصانات ہیں ان میں سے کم تر نقصان یہ ہے کہ موت کے وقت کلمہ یاد نہیں آتا۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۲/۳)

مسواک کے اخروی فوائد

۱- رب کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔
۲- فرشتے اس سے خوش ہوتے ہیں۔
۳- اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔
۴- نماز کے ثواب کو بڑھاتی ہے۔
۵- شیطانی وسوسے دور ہو جاتے ہیں۔
۶- قبر میں مونس ہے۔
۷- اس کی برکت سے قبر وسیع ہو جاتی ہے۔
۸- موت کے وقت کلمہ یاد دلاتی ہے۔
۹- جسم سے روح سہولت سے نکلتی ہے۔
۱۰- فرشتے مصافحہ کرتے ہیں۔
۱۱- قلب کی پاکیزگی ہوتی ہے۔
۱۲- مسواک کرنے والے کے لئے حاملین عرش استغفار کرتے ہیں۔
۱۳- مسواک کرنے والے انبیاء علیہم السلام بھی استغفار کرتے ہیں۔
۱۴- مسواک کے ساتھ وضو کر کے نماز کو جائیں فرشتے پیچھے چلتے ہیں۔
۱۵- شیطان اس کی وجہ سے دور اور ناخوش ہوتا ہے۔
۱۶- مسواک کا اہتمام کرنے والا پل صراط سے بجلی کی طرح گزرے گا۔
۱۷- اطاعت خداوندی پر ہمت اور قوت نصیب ہوتی ہے۔
۱۸- نزع میں جلدی ہوتی ہے۔
۱۹- جنت کے دروازے اس کے لئے کھل جاتے ہیں۔
۲۰- دوزخ کے دروازے اس پر بند کردیے جاتے ہیں۔
۲۱- ملک الموت اس کی روح نکالنے کیلئے اسی صورت میں آتے ہیں جس طرح اولیاء اللہ اور انبیاء علیہ السلام کے پاس آتے۔
۲۲- دنیا سے رخصت ہوتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کوثر کی رحیق مختوم پینے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

مسواک کے دنیوی فوائد

۱- منہ کی پاکیزگی۔
۲- موت کے علاوہ ہر مرض کی شفاء۔
۳- نگاہ کی روشنی بڑھاتی ہے۔
۴- مسوڑھوں کو مضبوط کرتی ہے۔
۵- بلغم کو دور کرتی ہے۔
۶- جسم کو تندرست رکھتی ہے۔
۷- حافظہ کو قوی کرتی ہے۔
۸- بال اُگاتی ہے۔
۹- جسم کا رنگ نکھارتی ہے۔
۱۰- اس پر مداومت سے غربت دور ہوتی ہے۔
۱۱- زبان کی فصاحت ودانش بڑھتی ہے۔
۱۲- کھانا ہضم کرتی ہے۔
۱۳- منی کی افزائش ہوتی ہے۔
۱۴- بڑھاپا جلد آنے نہیں دیتی۔
۱۵- کمر کو قوی کرتی ہے۔
۱۶- عقل کو تیز کرتی ہے۔
۱۷- چہرہ کو بارونق بناتی ہے۔
۱۸- دردسر کو دور کرتی ہے۔
۱۹- فاضل رطوبات کا ازالہ واخراج کر دیتی ہے۔
۲۰- داڑھ کے درد کو دفع کرتی ہے۔
۲۱- دانتوں کو چمکدار بناتی ہے۔
۲۲- اس کی برکت سے حصول رضا میں آسانی ہوتی۔
۲۳- کثرت اولاد کا باعث ہے۔
۲۴- قضاء حوائج میں سہولت اور مدد دیتی ہے۔
(بحوالہ انوار الباری: ۶/۱۸۹-۱۹۰)

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو دیگر سنتوں کے ساتھ مسواک کی سنت کو بھی زندہ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

نقشِ قدم نبیؐ کے ہیں جنت کے راستے
اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

ثمینہ صالح العمودی۔ جامعۃ البنات بارکس

قال اللہ تعالیٰ: "وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا"۔ "اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی تقدیر مقرر کردی۔"

تقدیر کے معنی اندازے کے ہیں، تقدیر پر ایمان لانا فرض ہے اور اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے، جس طرح اللہ پر اس کی بھیجی ہوئی کتابوں پر، اس کے مرسل کئے گئے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح تقدیر پر ایمان لانا بھی ضروری ہے، تقدیر اچھی یا بری دونوں ہی اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر اچھی اور بری چیز کو بے جانے بوجھے نہیں بلکہ جان بوجھ کر پیدا کیا ہے، اسی لئے جو چیز بھی پیدا ہوئی ہے وہ سب خدا کے علم سے پیدا ہوئی ہے۔

عن عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کتب اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السموات والارض بخمسین الف سنۃ، وقال کان عرشہ علی الماء۔" (مسلم: ۵۱/۸)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے ہی لوگوں کی تقدیریں لکھ دی تھیں، اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔

بخاری میں بھی اس سے ملتی جلتی ایک روایت موجود ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے اول باری تعالیٰ تھا، اس سے پہلے کوئی نہیں تھا، اس کا عرش پانی پر تھا، پھر اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور لوح محفوظ میں تمام چیزوں کا اندراج فرمایا۔

(بخاری: ۱۵۲/۹)

باری تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، پھر اسے لکھنے کا حکم دیا، چنانچہ قلم نے پوچھا کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تقدیر کو لکھو، اس نے اسی وقت جو ہوا تھا، اور جو قیامت تک ہونے والا ہے ہر بات لکھ دی۔

ایک دفعہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے سے کہا، بیٹا! تو اس وقت تک لذت ایمان سے لطف اندوز نہیں ہوسکتا جب تک یہ یقین نہ کرلے کہ جو تکلیف تجھے پہنچنے والی ہے وہ تجھ سے کبھی ٹل نہیں سکتی اور جو نہیں پہنچنے والی ہے وہ کبھی پہنچ نہیں سکتی۔

مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جب بتایا گیا کہ: "کچھ لوگ ایسے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ تقدیر الٰہی کچھ بھی نہیں ہے، ہر بات بغیر تقدیر کے ہوتی ہے، اس سے پہلے علم الٰہی نہیں ہوتا۔" آپ نے فرمایا اگر تمہاری ان سے ملاقات ہو تو کہہ دینا نہ میرا تم سے کوئی تعلق ہے اور نہ ان کا مجھ سے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو اور وہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ وخیرات کردے تو اس کا یہ عمل اللہ کے یہاں اس وقت تک قبول نہ ہوگا جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لائے، پھر انہوں نے اپنی اس بات پر بطور دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پیش کیا ہے، ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے

رسولوں پر، قیامت کے دن پر اچھی یا بری تقدیر پر ایمان لے آئے۔

تقدیر پر ایمان لانا یہ بھی ایمان کا ایک اہم جز ہے، انسان اس بات کا اقرار کرلے کہ اللہ کا علم بڑا وسیع ہے، وہ ان چیزوں سے بھی واقف ہے جو ابھی وجود میں نہیں آئی ہیں۔ اس کی اس قدرت اور امتیازی صفت کی وجہ سے ہر انسان جو کچھ اچھا یا برا عمل کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے موجود ہے، جس کو ایک رجسٹر میں پہلے سے لکھ دیا ہے، اسی کو تقدیر کہتے ہیں، کوئی انسان اس تقدیر کو نہیں جانتا ہے، حتیٰ کہ خود اپنے متعلق بھی انسان کو پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا کرنے والا ہے، کیا کھانے والا ہے، اور کہاں کب، اور کس حالت میں اس کی موت ہونے والی ہے، حالانکہ یہ سب باتیں اللہ نے اس کے متعلق پہلے ہی لکھ دی ہیں، اس تقدیر کی بنیاد پر انسان اچھے کام کرنے سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا، اس لئے کہ اس کو اچھے اور برے دونوں کام کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، اب یہ انسان کے بس میں ہے کہ اپنے اس اختیار کو وہ کس طرح استعمال کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس اختیار کو وہ استعمال کرتے ہوئے خود اپنے لئے ہمیشہ کی بھلائی کا فیصلہ کرتا ہے، یا اپنی ہمیشہ کی ہلاکت کا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مخاطب کرکے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا ٹھکانہ جنت یا دوزخ میں نہ لکھا گیا ہے، یعنی یہ متعین ہو چکا ہے کہ دوزخی کون ہے؟ تو صحابہ کرامؓ نے دریافت فرمایا: یا رسول اللہ! تو ہمیں اپنی تقدیر کا آسرا رکھنا چاہئے اور عمل کے پیچھے نہ پڑنا چاہئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! عمل ضرور کئے جاؤ ہر ایک شخص کے لئے وہی آسان کیا جائے گا جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

اللہ نے دین اسلام کے ہر فعل میں آسانی اور فائدہ رکھا ہے، تقدیر پر ایمان لانے کا فائدہ یہ ہے کہ اس دنیوی زندگی میں کوئی تکلیف اگر اس کو لاحق ہوتی ہے تو اس پر وہ صبر کرتا ہے، یہ سوچ کر کہ یہ اس کے مقدر میں ہے، دنیوی اعتبار سے اس کو کوئی چیز مل نہیں پائی تو اس کو افسوس نہیں ہوتا جو مال وعزت، شہرت اس کے پاس ہے، اس پر وہ اتراتا نہیں اور فخر نہیں کرتا اس لئے کہ ان سب کے متعلق اس کا عقیدہ یہ ہے کہ اس میں اس کا کوئی کمال نہیں، اس کے متعلق تقدیر میں اللہ نے پہلے ہی یہ لکھا تھا اور یہ اسی کے مطابق ہو رہا ہے۔

آج امت کا حال یہ ہے کہ وہ تقدیر پر ایمان کے معاملے میں بدگمانی کرتے ہیں، اور اپنی تقدیر میں جو کچھ ہے اس پر ایمان لانے کے بجائے (کہ اچھی اور بری تقدیر اللہ ہی کی طرف سے ہے) وہ اپنے ساتھ برا ہونے کا سبب کسی اور کو ٹھہراتے ہیں جیسے کہ اگر کوئی کسی کام کے لئے نکل رہا ہو اور بلی نے راستہ کاٹ دیا اور وہ جس کام کے لئے نکلا تھا وہ پورا نہ ہوا تو وہ کہتا ہے بلی کے راستہ کاٹنے کی وجہ سے میرا یہ کام نہ ہوا۔ اور اگر کسی گھر میں شادی ہوئی ہو اور لڑکی گھر (سسرال) میں آچکی ہے خدانخواستہ اس گھر کا کوئی فرد انتقال کرجائے تو گھر والے کہتے ہیں کہ یہ شادی ہمارے لئے راس نہیں آئی، اور یہ لڑکی ہمارے لئے بدقسمت ہے، اس کے قدم ہمارے گھر میں پڑنے سے نحوست چھاگئی، لہٰذا اس طرح کی بدگمانی کرنا شرک میں شامل ہے اور اللہ شرک کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔

لہٰذا مومنوں کو اس طرح بدگمانی نہیں ہونا چاہئے، بلکہ قرآن وحدیث کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اپنی تقدیر پر پورا بھروسہ کرنا چاہئے: اور یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرنی چاہئے کہ اللہ کسی کو نقصان پہنچانا چاہے تو تمام دنیا کے لوگ اسے اس نقصان سے نہیں بچا سکتے، اور اگر اللہ کسی کے ساتھ بھلائی کرنا چاہے تو کوئی اس کو اس بھلائی سے دور نہیں کرسکتا، بلکہ جس کی تقدیر میں جو ہے وہ ہو کر ہی رہے گا۔

اسلامی نقطہ نظر میں حقوقِ مرد و زن

محمد بدیع الزماں نقشبندی

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا برپا کیا ہوا انقلاب ہمہ گیر، ہمہ جہتی عالمی اور دائمی انقلاب ہے۔ یہ انقلاب بیک وقت مذہبی انقلاب، سیاسی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی انقلاب ہے طلوع آفتاب اسلام کے ساتھ جہاں بہت ساری تبدیلیاں رونما ہوئی وہیں حقوق نسواں سے عالم روشناس ہوا۔ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دراصل تعلیمات الٰہی ہیں۔ تعلیمات الٰہی ہر طرح کے نقص سے پاک ہوتی ہیں۔ عورت کے احساسات سے مرد ناواقف۔ اسی طرح مرد کے جذبات سے عورت ناواقف۔ ایسی صورت میں قانون سازی کا اختیار نہ مرد کو ہوسکتا ہے اور نہ ہی عورت کو۔ قانون سازی کا کامل اختیار صرف خالق کائنات کو حاصل ہے۔ جو مرد و عورت دونوں کا خالق و مالک حقیقی ہے۔ فرمان الٰہی ہے ''اور عورتوں کے لئے بھی اسی طرح حقوق مردوں پر ہیں جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں۔ عورتیں تمہارا لباس اور تم عورتوں کا لباس ہو'' فرمایا مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ''بلاشبہ انسانی حقوق میں عورتیں مردوں کے مساوی ہیں۔''

اسلام نے مرد و زن کے جو حقوق دیئے ہیں وہ منصفانہ ہیں مساویانہ نہیں۔ مرد کو عورت پر ایک درجہ فضیلت دی ہے خاندانی زندگی میں اعتدال کے ساتھ مرد کو صدر کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ ڈاکٹر محمد اقبال نے فرمایا: ''اگر میں مسلمان نہ ہوتا اور قرآن کا مطالعہ نہ کرتا تو یقیناً یہ خیال کرتا کہ یہ کتاب اللہ کی نہیں بلکہ کسی عورت کی لکھی ہوئی ہے اس لئے کہ چودہ سو سال قبل اس کتاب نے عورتوں کو جو حقوق دیئے ہیں اس سے بہتر حقوق نسواں کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔'' قانون الٰہی کی صداقت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حالیہ دور میں جو لوگ مذہب اسلام کو گلے لگارہے ہیں خصوصاً امریکہ اور برطانیہ کے احباب ان میں دو تہائی ۲/۳ خواتین ہیں۔

مذہب اسلام نے جن شرائط کو عورت کے لئے لازم قرار دیا تہذیب جدید نے ان ہی پابندیوں کو حقوق نسواں کے منافی جانا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ انسانی معاشرہ تباہی کے دہانے پر ہے۔ مغربی مفکرین سر کو ہاتھ لگائے بیٹھے ہیں کہ اب اصلاح ناممکن ہے۔

ایک بار حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھریلو ذمہ داریوں کے بارے میں دریافت فرمایا۔ حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہوا ''بیشک گھر کے اندر کے کام فاطمہ کریں اور گھر کے باہر کے کام علیؓ۔ یہ تقسیم فرائض منصفانہ بھی ہے اور قابل عمل بھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو۔ اور مت پھرو قدیم جہالت کے طور طریقے پر'' (احزاب:۳۳) عورت کی اصل منزل گھر ہے۔ جس طرح پھول سے چمن کو زینت ہے اسی طرح عورت سے گھر کی زینت ہے بلاشبہ عورت ایک پھول ہے خوشبو اور نور ہے۔ ہر گھر کا اُجالا عورت سے قائم ہے۔ بازار عورت کے لئے موت ہے اس لئے کہ جب وہ گھر سے نکلتی ہے شیطان اسے تاکتا ہے۔ انسان فطرتاً کمزور واقع ہوا ہے خواہ مرد ہو کہ عورت۔ انسان کی فطری کمزوریوں سے شیطان اچھی طرح واقف ہے اور وہ انسان کو گمراہ کرنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر عورت خاتونِ خانہ نہ ہوتی، شمع محفل ہوتی، تو مذہب نے اسے حاضری مسجد، جمعہ و عیدین اور شرطیت جہاد سے کیوں مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اختیار اجازت ہے۔ بشرطیکہ فتنہ کا احتمال نہ ہو۔

رب کریم نے اپنے مقدس کلام میں ایک مستقل اور طویل صورت ''النساء'' یعنی عورت کے نام سے موسوم کیا۔ اپنے بندوں کو عورت کے مقام و مرتبہ سے آگاہ فرمایا۔ اس کے حقوق و اختیارات سے باخبر فرمادیا۔ فرمایا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اللہ سے ڈرو عورت کے بارے میں'' لفظ عورت کے معنی ہی پردے کے ہیں۔ ہیرے جواہرات جیسے چھپا کر رکھے جاتے ہیں۔ اسی طرح عورت

لاقیمت شئے ہے اس کی حفاظت ضروری ہے۔ اللہ جو خالق کائنات ہے وہ بھی حجابات میں مستور ہے۔ ماں بھی اپنی اولاد کی بقا کی مضبوط کڑی ہے۔ مہر و مودت کی مجسم ہے۔ اپنے خاندان پر بڑی ہی شفیق و مہربان ہے۔ ''اے انسانو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا فرمایا اور پھر اس جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیئے۔'' (النساء:۱)

اللہ نے عورت کو مرد کی پسلی سے پیدا فرمایا اور پسلیوں ہی کے درمیان دل بھی ہوتا ہے جو الفت و محبت کا طالب ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرد و زن ایک دوسرے کے ذریعہ راحت و سکون پائیں اور افزائش نسل برقرار رکھ پائیں۔ اور نکاح کے ذریعہ حسب و نسب کو محفوظ رکھ پائیں۔ سورۂ طارق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''تو انسان کو غور کرنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا ہوا ہے، وہ ایک اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا ہوا ہے، جو پشت اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے۔'' غور فرمائیں اللہ نے کیا فرمایا ہے۔ عورت کی تخلیق سینے سے ہوئی جس میں دل بھی ہے اور مادۂ تخلیق بھی ہے۔ یہ تینوں عوامل ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ عورت میں کچھ فطور بھی ہوتا ہے اس پر زیادہ دباؤ ڈالنے سے بچتے رہنا چاہئے جیسے پسلی کی ہڈی ٹیڑھی ہوتی ہے اور جب اسے سیدھی کرنے کے لئے دباؤ ڈالا جائے تو یہ ٹوٹ جاتی ہے۔ عورتیں بھی آبگینے ہیں۔ ان کی نزاکت کا خیال ملحوظ رکھا جانا چاہئے۔

عورت پر ظلم و زیادتی کرنے کے بارے میں اللہ سے ڈرنا چاہئے۔ عورت پر مرد کچھ قدرت ضرور رکھتا ہے۔ اگر وہ اپنی طاقت کو غلط استعمال کرتا ہوتو اسے جان لینا چاہئے کہ اللہ سب پر غالب ہے۔ اللہ ظالموں کے لئے گھات لگائے بیٹھا ہے۔ اللہ کی گرفت بڑی مضبوط ہے۔ اللہ ظالموں کو جس طرح جکڑتا ہے اس جیسا کوئی اور نہیں جکڑتا۔ اللہ ظالموں کو جیسا عذاب دے گا ویسا عذاب کوئی اور نہیں دے سکتا۔ اس بات پر عورتوں کو بھی ضرور توجہ دینا چاہئے کہ تغیر زمانے کے ساتھ ساتھ ایسے واقعات بھی رونما ہورہے ہیں کہ بعض مرد بھی مظلومیت کا نشانہ بن رہے ہیں۔

مذہب اسلام نے بتلایا ہے کہ عورت بھی مرد کی طرح انسان ہے۔ روح رکھتی ہے۔ اس کی پیشانی پر کسی قسم کا داغ دھبہ نہیں۔ انسانی حقوق میں وہ مردوں کے ہم پلہ ہے۔ وہ مجبور نہیں بلکہ معاشرہ میں وہ اپنا ایک مقام و مرتبہ رکھتی ہے۔ اسے یہ شرف و عظمت اس کی اپنی خدمات کی بناء پر ملا ہے۔ مختلف حیثیتوں سے ماں، بیوی، بہن اور بیٹی جیسے رتبہ و خدمات کی وجہ سے یہ صرف قوم کے نونہالوں کی تعلیم و تربیت تک ہی محدود نہیں بلکہ قوموں کے عروج و زوال میں عورتوں کا بڑا کردار ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کریں۔

تاریخ کے ہر دور میں عورت کا استحصال ہوتا رہا ہے چاہے وہ زمانہ قدیم کی یونانی و رومی تہذیب ہو یا زمانہ حال کے یہود و نصاریٰ ہوں۔ ان کے نظریات کے مطابق عورت ایک مکار اور بدطینت شئے ہے۔ اسے نہ حق وراثت ملتا اور نہ ہی شوہر کے فوت ہوجانے پر دوسری شادی کی اجازت تھی۔ ان کے عقائد کے مطابق آدم کو جنت سے بے دخل کرنے کی وجہ عورت ہے۔ اس لئے اسے محکوم رکھا گیا۔ اسے De-Grade حقیر جانا گیا۔ اسی بنا پر اسے دروزہ لاحق ہوا ہے۔ ان کے ہاں غیر محرم عورتوں کی عصمت ریزی کوئی قابل اعتراض جرم نہ تھا۔ البتہ اس متاثرہ عورت کے سرپرست کو کچھ جرمانے کی رقم دے دی جائے۔ بعضوں نے تو عورت کو گندگی کا مرقع جان کر رہبانیت اختیار کی اور بالآخر زناکاری کے مرتکب ہوئے اور ناجائز نسلوں کو تیار کیا یا پھر انہیں زندہ دفن کردیا۔ سنگین جرائم کے مرتکب ہوئے۔

آج مغربی تہذیب میں خودساختہ قوانین کے نتیجہ میں زناکاری اور کنواری ماؤں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ نئی نسل میں ایسے نوجوانوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے کہ انہیں پتہ نہیں کہ ان کا باپ کون ہے۔ جنسی بے راہ روی کے مختلف طریقے ڈھونڈے جارہے ہیں۔ جن سے ہم جنس پرستی اور اس راہ کو اور تقویت مل رہی ہے اس بات پر کہ مرد کی شادی مرد سے ان میں ایک دولہا اور دوسرا دلہن۔

اہل ایمان اپنے ہزار سالہ دور میں سارے عالم کی قیادت کرتے رہے۔ امام القوم بنے رہے اہل عالم نے اسلامی تہذیب سے بالراست استفادہ کیا ہے۔ مسلمانوں کی تقلید ان کے لئے بڑے فخر کی بات تھی۔ لیکن آج حال یہ ہے کہ مسلمان مغربی چمک دمک سے متاثر ہوکر غیروں کے طریقے اپنارہے ہیں۔ مغربی تہذیب کی چمک دمک ایک سراب ہے۔ وہ تہذیب خود ہی دم توڑ رہی ہے۔ معلم کتاب و حکمت نے باخبر فرمایا: "من تشبه بقوم فهو منهم" جو شخص جس قوم کی مشابہت کرے گا، اس کا حشر اسی قوم کے ساتھ ہوگا۔''

میری عظیم ماں

لالہ صحرائی

قارئین! میرے نزدیک، قادر مطلق نے آج تک کوئی ایسی ماں پیدا نہیں کی جو عظیم نہ ہو۔ جس طرح بعض حضرات محض اپنے عہدے کی بنا پر کسی ادارے کی مجلس منتظمہ کے آپ سے آپ رکن قرار پاجاتے ہیں، بعینہ جو خاتون بھی ماں کے عہدے پر فائز ہوجائے، وہ آپ سے آپ بنی نوع انسان کے عظیم افراد کی مجلس کی رکن بن جاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں کوئی خاتون ماں بنتے ہی عظمت کے دربار میں کرسی پالیتی ہے۔ معاشرے کے حفظ وبقا اور ترقی وفروغ کی خاطر قرآن کریم نے مردوں کو خواتین پر ضرور فوقیت دی ہے، لیکن دوسری طرف قرآن ناطق یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد (مردوزن دونوں) کے لئے باپ کے مقابلے میں ماں کو اطاعت و احترام کے اعتبار سے تین درجوں کا تفوق بخشا ہے۔ یہاں مجھے ایک سچا واقعہ یاد آگیا، آپ بھی سن لیجئے:

چند سال پہلے کا ذکر ہے کہ ایک صاحب کی والدہ کا انتقال ہوگیا۔ دستور کے مطابق احباب واعزہ ان کے ہاں بغرض تعزیت گئے۔ صف ماتم ان کے گھر کے لان میں بچھی تھی۔ فاتحہ خوانی اور دعائے مغفرت کے بعد اپنے اپنے طور پر سب نے ان سے اظہار افسوس کیا اور صبر کی تلقین کی۔ سوگوار بیٹے نے تعزیت کرنے والوں کا جواباً شکریہ ادا کیا، پھر بولے: ”حضرات! میں نے تو الحمدللہ اپنے صدمے پر کچھ قابو پالیا ہے، لیکن میرے چھوٹے بھائی نے عجب مسئلہ کھڑا کردیا ہے۔ وہ ایئرفورس میں پائلٹ ہے، لیکن وہ نوکری سے فوری استعفیٰ دینے کی ضد کررہا ہے، جب کہ اس کی ریٹائرمنٹ میں صرف ایک سال باقی رہ گیا ہے۔ ظاہر ہے اس وقت استعفیٰ دینے کی صورت میں وہ پنشن کی بعض مراعات سے محروم ہوجائے گا۔ ہم نے اسے بہت سمجھایا ہے، مگر وہ مان کر نہیں دے رہا، برابر یہی رٹ لگا رکھی ہے کہ والدہ کی وفات کے بعد میں اب نوکری نہیں کروں گا۔ وہ اندر ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہے، خدارا آپ اسے سمجھائیں بجھائیں کہ وہ اس حال میں اپنی نوکری نہ چھوڑے۔“

یہ سن کر تعزیت کرنے والے چند اصحاب نے ڈرائنگ روم کا رخ کیا جہاں ایک صوفے کے کونے میں مرحومہ کا چھوٹا بیٹا ایک ممی کی صورت میں گم سم بیٹھا تھا۔ علیک سلیک کے بعد جب آنے والوں کی طرف سے فاتحہ خوانی اور تعزیت کا اظہار ہوچکا تو ایک صاحب نے دھیمے سے پوچھا: ”آپ کی چھٹی کتنی اب باقی رہ گئی ہے؟“ بیٹے نے سوال کا اصل مطلب بھانپ کر فوراً جواب دیا: ”غالباً آپ کو بھائی جان نے یہ بتادیا ہوگا کہ میں نوکری پر واپس نہ جاؤں گا۔“

”نہیں بھائی“ ”ایسا نہ کیجئے“ ایک اور صاحب نے دلاسے سے کہا ”صدمہ واقعی سخت ہے، لیکن یوں حوصلہ نہیں ہاریے۔“

”بھائی جان نے اگر میری نوکری چھوڑنے کی اصل وجہ آپ کو نہیں بتائی تو مجھ سے سن لیجئے“ نوجوان نے مستعدی سے کہا: ”دیکھئے میں اپنے اسکواڈرن میں ایک دلیر پائلٹ مشہور ہوں، خطرناک سے خطرناک فلائٹ میرے لئے بچوں کا کھیل بن جاتی تھی، صرف اس وجہ سے کہ ہر ایسی فلائٹ کے دوران یہ احساس مجھے نڈر بنادیتا تھا کہ پیچھے گھر میں میری والدہ مصلا بچھائے بیٹھی ہیں اور میری سلامتی کے لئے دعائیں

کررہی ہیں جو کبھی اکارت نہیں جاسکتیں، لیکن اب جو میں ان دعاؤں سے محروم ہوگیا ہوں تو میرا حوصلہ چھن گیا ہے، میں اب سرے سے جہاز ہی نہیں اڑا سکوں گا، اہم فلائٹیں تو کجا۔“

”لیکن آپ کی سلامتی کے لئے دعائیں کرنے والے ماشاء اللہ آپ کے دوسرے بہن بھائی تو اب بھی موجود ہیں“ ایک صاحب نے حوصلہ دلایا۔

”ضرور موجود ہیں یہ لوگ“ ترت جواب آیا ”خدا ان کی زندگی دراز کرے، لیکن جناب! جو سچا اور کھرا خلوص ماں کی دعا میں ہوتا ہے، وہ کسی اور کی دعا میں ہو ہی نہیں سکتا۔ ماں کی دعا سیدھی جاکر اللہ کی رحمت سے لپٹ جاتی ہے اور پھر اسے گڈگدا کر اپنی بات منوا ہی لیتی ہے...... نہیں نہیں، میں اس دعا کی ڈھال سے محرو ہوکر کسی خطرے سے پنجہ نہیں لڑا سکتا، میں اب کسی صورت پائلٹ کی نوکری نہیں کرسکتا۔“ نوجوان نے بھیگی آنکھوں اور لرزتی آواز کے ساتھ اپنا فیصلہ اس وثوق کے ساتھ سنادیا کہ تعزیت کرنے والوں کے لئے وہاں سے اٹھ جانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کو مائل بہ کرم کرنے والی ماں کی دعا کا خود مجھے بھی تجربہ ہوچکا ہے۔ میری عمر آٹھ دس برس ہوگی جب مجھے ایک مہلک مرض نے آلیا جو حکیموں کے نزدیک لاعلاج قرار پایا۔ مرض کی شدت سے میں دن بھر بے چین رہتا البتہ رات کو کچھ دیر کے لئے میری آنکھ لگ جاتی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ہر شب نماز عشاء کے بعد میری والدہ میری چارپائی کے بازو کے ساتھ اپنا مصلا بچھا لیتیں اور بعض اوقات رات بھر نوافل اور دعاؤں میں مشغول رہتیں۔ کئی مرتبہ ایک ایسا بھی ہوا کہ چہرے پر قدرے حرارت محسوس ہونے پر جب سوتے میں میری آنکھ کھلتی تو میں دیکھتا کہ میری پیشانی پر والدہ کے ہونٹ پیوست ہیں اور ان کے آنسوؤں کی گرم گرم پھوار میری آنکھوں کے پیمانے لبریز کررہی ہے۔ والدہ کی ان دعاؤں کی معجزنمائی دیکھئے کہ عزیزوں اور معالجین کے اندیشوں کے باوجود میں نے دو ماہ کی جاں گسل تکلیف کے بعد اپنے مہلک مرض سے مکمل شفا پائی۔

میری والدہ مرحومہ اَن پڑھ تھیں، تاہم انہوں نے ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم حاصل کررکھی تھی۔ اپنے ہوش سنبھالنے سے ان کے ایام وفات تک، میں نے ان کی صبح کی تلاوت قرآن مجید میں کبھی ناغہ نہ پایا۔ عمر ڈھلنے سے پہلے ایک عرصے تک ان کا یہ معمول رہا کہ سردی ہو یا گرمی، وہ رات کے پچھلے پہر اٹھ جاتیں، پھر تہجد کے نوافل کے بعد ہتھ چکی پر بیٹھ جاتیں اور روزانہ ضرورت کے مطابق آٹا پیسنا شروع کردیتیں جس کے ساتھ ہی وہ سورہ رحمٰن کی تلاوت کا آغاز بھی کردیتیں جو انہوں نے زبانی یاد کررکھی تھی۔ وہ ماشاء اللہ بہت خوش الحان تھیں۔ آخر شب کے سناٹے میں جب چکی کی گھمر گھمر کے ساتھ سورہ رحمٰن کا ملکوتی آہنگ ان کی خوش آوازی میں ڈھلتا تو بعض اوقات میری آنکھ کھل جاتی۔ بے اختیار ہوکر میں ان کی سمت دیکھتا تو یوں لگتا جیسے آٹا پس پس کر چکی کے حلقے میں ایک نورانی آبشار کی صورت میں گررہا ہے۔ (قارئین! ملوں کی آتشیں پسائی سے جھلسے ہوئے آٹے کے اس دور میں اس نورانی آٹے کا تصور کس قدر دلدوز ہے)

مڈل کا امتحان پاس کرنے کے بعد مجھے مزید تعلیم کے لئے گھر سے بیس میل دور شہر کے ہائی اسکول اور اس کے ہوسٹل میں داخلہ لینا پڑا۔ ہفتہ وار اس تعطیل کے دن جب میں ٹرین پر گھر آتا تو عموماً والدہ کو باہر کے دروازے کے پاس پیڑھی ڈالے اپنا منتظر پاتا۔ میں قریب آکر سلام کرتا اور وہ میرے بالوں کی مانگ کو بچاتے ہوئے ہولے سے میرے سر پر پیار کا ہاتھ پھیرتیں، اور پھر اندر جاکر جلد ہی میری خاطر بنائی ہوئی تازہ مٹھائی یا شیرنی میرے سامنے لاکر رکھ دیتیں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ہائی اسکول کی دوسالہ بیرونی تعلیم کے دوران ان کا ہمیشہ یہی معمول رہا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد جب مجھے روزگار کی خاطر فوج میں بھرتی ہوکر گھر

سے سیکڑوں میل دور لکھنؤ جانا پڑا تو دم رخصت ان کی پلکیں ضرور نم ہوئیں، لیکن والدہ نے مجھے گھر سے طویل دوری کی اداسی سے بچانے کی خاطر، آنسو بہائے نہ گلے سے لگا کر پیار کیا، جیسے میں پھر ایک مرتبہ اپنے ہائی اسکول والے شہر ہی جارہا ہوں۔ لکھنؤ میں میرے قیام کے دوران وہ بہت باقاعدگی کے ساتھ مجھے خط لکھواتیں جو بظاہر چھوٹی چھوٹی باتوں پر مشتمل ہوتے، لیکن ان کے اندر ممتا کی بہت بڑی دنیا آباد ہوتی، مثلاً ایک خط میں انہوں نے لکھوایا کہ تمہارے لیدر شوز کا تلا ربڑ کا ہے جس کی وجہ سے تمہارے پاؤں گرمیوں میں گرم رہتے ہوں گے اور سردیوں میں سرد، لہٰذا یہ جوتے کسی ضرورت مند کو دے دو اور اپنے لئے چمڑے کے تلے والے جوتے جلد خرید لو۔ گھر میں خدا کے فضل سے مجھ سے محبت کرنے والے اور بھی کئی افراد تھے، لیکن ظاہر ہے کہ ایسا خیال ایک ماں ہی کو آسکتا تھا۔

یہاں مجھے یاد آرہا ہے کہ جب میں فوج کی مختصر مدت کی نوکری ترک کر کے گھر واپس آیا تو رات آنے پر والدہ نے میرے لئے ایک مکمل نیا نویلا بستر بچھایا اور کہا کہ اس بستر کی ہر چیز میں نے خود پیسے جوڑ جوڑ کر خریدی ہے اور اپنے ہاتھ سے سب کچھ سیا اور تیار کیا ہے، پھر ہنس کر بولیں: "جگراتوں کے ساتھ"...... قارئین! بات بہت چھوٹی سی ہے، لیکن کیا کروں کہ لاتعداد موجودہ آسائشوں کے باوجود اس کھدر کے لحاف اور تکیے کی مخملیں آسائش کو نہیں بھلا سکتا جس کے بخیوں میں ایک ماں کے ملکوتی ہاتھوں کا لمس شامل تھا۔

بیٹوں کی شادیوں کے بعد ماں کو ایک نئے رول سے واسطہ پڑ جاتا ہے۔ وہ دوسری باتوں کے علاوہ اس میں ساس بہو کی لڑائی کا وہ عالمی فیچر بھی اپنا رنگ دکھاتا ہے جو بعض اوقات پہلے ان بن، پھر کھٹ پٹ اور آخر میں چیخ چیخ کی صورت اختیار کر کے ہمسایوں کے لئے لطف اندوزی کا باعث ہو جاتا ہے، تاہم اسے والدہ مرحومہ کی شیرینی طبع کے سوا کوئی نام نہیں دیا جاسکتا کہ ان کی وفات تک اگرچہ ہم دو بھائیوں کی شادیوں پر کم وبیش تیس پینتیس برس گزر چکے تھے، لیکن اڑوس پڑوس والوں کا ہمارے گھر کے بارے میں ہمیشہ یہی تاثر رہا کہ یہاں ہماری والدہ دو بہوؤں کے بجائے دو بیٹیوں کے ساتھ بس رہی ہے۔

اپنی وفات سے ڈھائی تین ماہ پہلے والدہ کو جگر کے سرطان کا تکلیف دہ مرض لاحق ہوگیا۔ بیماری کی شدت میں اضافہ ہوا تو وہ چارپائی سے لگ کر رہ گئیں۔ سرطان کے درد سے اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے، یہ بڑے بڑوں کا پتہ پانی کر دیتا ہے۔ تاہم میں نے اذیت کی انتہا کے باوجود، آخر تک، والدہ کے منہ سے کبھی ہلکی سی کراہ بھی نہ سنی۔ درد کی زیادتی کے دوران ان کے ہونٹ تیزی سے ہلنے لگتے، انگلی آسمان کی طرف اٹھ جاتی، اور وہ شفقت کے عالم میں پاس بیٹھے عزیزوں کے سروں پر ہاتھ پھیرنے لگتیں یا ان کے گال سہلانے لگتیں۔

ایسے میں کئی مرتبہ میں نے فرط غم سے اپنی بھیگی ہوئی آنکھوں کو ان کے ہاتھوں پر ملنا چاہا، لیکن وہ اس کا موقع ہی نہ دیتیں، بس تیزی کے ساتھ اپنا سر بالیں سے اٹھاتیں اور میرا ماتھا چوم لیتیں۔

بیماری کی شدت کے دوران بھی وہ کسی کو اپنی خدمت کی زحمت نہ دیتیں۔ اپنی وفات سے دو ہفتے پہلے ان کے لئے نقل و حرکت دوبھر ہوگئی تھی۔ کبھی کبھار رات کو جب انہیں رفع حاجت کی ضرورت محسوس ہوتی تو گھر کے کسی فرد کو آواز دے کر جگانے کے بجائے، وہ خوشی کے ساتھ جوں توں کر کے چارپائی سے اترتیں اور پھر دوزانوں ہو کر گھسٹتی ہوئی انچ انچ کر کے باتھ روم تک پہنچتیں۔

اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کے ڈھنگ نرالے ہیں، عین ان دنوں جب والدہ کی علالت شدت اختیار کر چکی تھی، خود میں بھی سخت بیمار ہوگیا، حتیٰ کہ مقامی ڈاکٹروں نے مجھے فوراً نشتر اسپتال ملتان میں داخلے کی ہدایت کی۔ والدہ کو اس حال میں چھوڑ کر گھر

جانے کا احساس میرے لئے سوہان روح تھا، لیکن مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق مجھے یہ کڑی آخر کار اٹھانا پڑی۔ والدہ محترمہ کی خدمت میں الوداعی سلام عرض کر کے اور ان کے خزاں رسیدہ پتوں کی طرح لرزتے ہاتھوں کا پیار سر پر لے کر جب میں گھر سے باہر آکر گاڑی میں بیٹھنے کو تھا تو یکا یک گھر کا بیرونی دروازہ کھٹاک سے کھلا، اور اس میں سے والدہ بھاگتی ہوئی برآمد ہوئیں اور پھر اس طرح مجھ سے لپٹ گئیں کہ روتی جاتی تھیں اور میری صحت کے لئے دعائیں کرتی جاتی تھیں۔ یہ رقت انگیز منظر دیکھ کر میرے علاوہ تمام حاضرین کی آنکھیں بھیگ گئیں، گاڑی چلی تو میرے ہمراہی عزیز بولے: "حیرت ہے، تقریباً دو ہفتے سے خالہ کے لئے ایک قدم تک اٹھانا محال تھا، اور کہاں یہ عالم کہ بیس تیس گز تک وہ بھاگتی چلی آئیں، نہ معلوم آج یہ طاقت ان کے بدن میں کہاں سے آگئی۔"

"یہ بدن کی نہیں، ممتا کی طاقت ہے بھائی صاحب!" میرے ایک اور عزیز نے جواب دیا۔

"طاقت یا نعمت؟" میں نے اندر ہی اندر اپنے دل سے پوچھا۔ اور پھر دل کا جواب آنسوؤں کے سیلاب کی صورت میں اُمڈ آیا۔

اسپتال میں دو ہفتے مسلسل علاج کے باوجود میرے مرض پر قابو نہ پایا جاسکا۔ ادھر گھر سے مجھے اطلاع ملی کہ والدہ کی حالت نازک ہوگئی ہے، چنانچہ میں ڈاکٹروں کی رائے کے برعکس گھر واپس چلا آیا۔ والدہ پر اب سخت نقاہت کا عالم طاری تھا، تاہم ان کے لبوں کی خموش حرکت، یعنی اپنے خالق کے ساتھ رابطے کا تسلسل قائم تھا۔ وہ شب ہم نے جاگ کر گزاری۔ صبح ہوئی تو ان کی طبیعت یکایک سنبھل گئی۔ اس پر گھر کے تمام افراد کو انہوں نے فرداً فرداً تسلی دی۔ دو روز کے فاقے کے بعد دودھ کی چند چسکیاں بھی نوش کیں جس پر سب کو مزید اطمینان ہوگیا۔ ایک میں ہی تھا جس کے دل میں ایک خوف سنسنا رہا تھا کہ یہ شمع کی آخری ٹمٹماہٹ ہے، عصر کے بعد یہ ٹمٹماہٹ مدھم پڑنا شروع ہوگئی۔ مجھے پاس بلا کر فرمایا کہ میری ٹانگوں سے جان نکل گئی ہے۔ میں نے اپنی چیخ کا گلا گھونٹ کر بھائی بہنوں کو آواز دی ہم میں کسی نے آنسوؤں سے لبریز آواز میں پوچھا: "کیسا محسوس کر رہی ہیں آپ؟"

"یہاں اپنے پاس اپنے اعمال دیکھ رہی ہوں" والدہ نے نہایت توانا آواز میں جواب دیا۔

"کہاں ہیں آپ کے اعمال؟" میں نے تیزی سے سوال کیا۔

"ارے یہ میرے دائیں ہاتھ تو کھڑے ہیں، کیا تمہیں نظر نہیں آرہے؟"

"سبحان اللہ!" میرے منہ سے سسکی کے ساتھ بے ساختہ نکلا: "بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست۔"

اس کے بعد ان کے چہرے پر عجیب تازگی آگئی، جیسے شبنم سے دھلا ہوا نوشگفتہ پھول...... ایک طویل سانس، جسم کا ہلکا سا ارتعاش، لبوں پر ذرا سا تبسم، آنکھیں آپ سے آپ بند...... ہماری ہچکیاں اور سسکیاں...... اور میرا گریہ بے اختیاری کے ساتھ ان کی پائنتی کے پاس سے لپٹ جانا...... یہ تھا میری جنت کے لٹ جانے کا منظر۔

غسل اور کفن دینے کے بعد ان کی میت کو گھر کے صحن میں رکھا گیا۔ کسی نے آخری دیدار کے لئے چہرے سے کفن کی چادر سرکائی تو چہرے کے گرد تقدس کا ہالہ دیکھ کر حاضرین نے شور ماتم کے بجائے بلند آواز میں کلمہ طیبہ کا ورد شروع کر دیا۔ اس وقت میری آنکھوں سے آنسو رواں تھے، لیکن میں فیصلہ نہ کر سکا کہ یہ آنسو صدمے کے ہیں یا اس احساس مسرت کے، کہ میں ایک عظیم ماں کا بیٹا ہوں! بے اختیار میرا جی چاہا کہ میں میت کی پائنتی کی طرف جا کر والدہ کے تلوے چوم لوں، لیکن پھر یہ سوچ کر رہ گیا کہ:

کیوں مرے لب سے ہوں جنت کے نشاں آلودہ!

ظلم کی ٹہنی

یعقوب سروش

تاریخ کے طویل دور اس بات پر شاہد ہے کہ اس کارگاہ حیات میں ہمیشہ نیکی اور سچائی کی آواز کا گلا دبوچا گیا۔ خداترسی کی ہر دعوت کا ردعمل یہ ہوا کہ ابلیسی طاقتوں نے وہ معرکہ حشر برپا کردیا کہ آج تک انسانیت کو اس کی ماتم سرائی سے فرصت نہیں مل سکی۔ بدی، ظلم، جفاکاری، بدکرداری اور دنیا پرستی کے سنگین ماحول کو بدل ڈالنے کا فولادی عزم لے کر اٹھنے والوں کی ولولہ انگیزی داستانیں آج بھی تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں۔ فوز وفلاح اور تعمیر و اصلاح کے یہ اولین داعی، انبیاء ورسل رہے ہیں انہوں نے تاریخ کی یخ بستہ رگوں میں زندگی اور حرکت کا خون دوڑایا۔ آسمان تمدن پر اخلاقی اقدار کے تارے چمکائے...... اولاد آدم کو ان گنت خداؤں کی اعلیٰ ظرفی، بلند حوصلگی رضائے الٰہی کے حصول کے لئے جان، مال اور اولاد کی قربانی کا شاندار سبق پڑھایا...... لیکن ان عظیم، جلیل المرتبت، مقدس اور بے غرض نفوس کے ساتھ اہل دنیا نے کیا سلوک کیا، اس کے بیان سے قلم تھرا اٹھتا ہے۔ آسمان چیخ اٹھتا ہے۔ اور زمین اپنے بال بکھرا کر صف ماتم بچھاتی ہے۔ حضرت نوحؑ سے لے کر خاتم النبیین سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک کونسا ایسا پیغمبر ہے جس کو اس دنیا نے استہزا کا نشانہ نہیں بنایا؟ کہیں آگ کے الاؤ میں پھینک دیا۔ کبھی آرے کے دندانوں تلے مقدس و مطہر جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے، اور کسی کو پھانسی کے تختے پر چڑھا کر اطمینان کا سانس لیا......

دنیا کی ساری قوموں میں بنی اسرائیل نے اس جرم عظیم کا سب سے زیادہ ارتکاب کیا ہے۔ ان کے کالے کرتوتوں سے آج بھی تاریخ کی قبا سے خون ٹپکتا ہے...... ارض فلسطین کئی دفعہ نبیوں کے خون میں نہا چکی ہے۔

آج فلسطین کے شہنشاہ ہیرودانیٹی پاس کی سالگرہ تھی...... بڑے ہی کروفر کے ساتھ سالگرہ کا جشن پوری مملکت میں منایا جارہا تھا شادمانیوں، خوشیوں اور عیاشی کا ایک سیلاب جیسے کسی بودے بند کو توڑ کر ہر طرف پھیل گیا تھا۔ مذہبی معابد میں فحاشی کی کھلی چھٹی مل گئی تھی...... عبادت خانوں کے بے نام سناٹوں میں دیوداسیوں کی عصمت کے انمول رتن نام نہاد مذہبی پیشوا لوٹ رہے تھے...... حسن و عشق کی دیوی عتارات کی پتھرائی ہوئی آنکھوں کے سامنے حسن و شباب کا اخلاق سوز ڈرامہ ہورہا تھا...... اناث کے بت کے آگے نرسنگھوں اور گھنٹیوں کی گونج میں افزائش نسل کی مرادیں مانگی جارہی تھیں۔ اور ادھر قصر شاہی میں ہیرودانیٹی پاس، اپنی نئی داشتہ...... اس کی آنجہانی بھائی فلپ کی بیوہ، ہیرودیاس کی نوخیز بیٹی کا رقص دیکھ رہا تھا......

اور دوسری طرف ان ساری ہنگامہ آرائیوں سے دور، جیل کی ایک تنگ تاریک کوٹھری میں ایک ستم رسیدہ قیدی بارگاہ رب ذوالجلال میں بھرائی ہوئی آواز میں دعا مانگ رہا تھا...... ”خدوند...... پاپ کی گٹھری کا وزن بڑھتا جارہا ہے...... انسانیت کو اس فحش کاری اور بے حیائی کے دلدل سے نکال دے......

وہ قیدی نہیں ہے، اپنے وقت کا ایک عالی قدر نبی ہے...... حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا ہے...... ”اے پالن ہار“ زکریاؑ نے دعا مانگی تھی ”میری ہڈیاں گھل گئی ہیں اور میرا سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے...... اے پروردگار میں کبھی تجھ سے دعا مانگ کر نامراد نہیں رہا...... مجھے اپنے پیچھے اپنے بھائی بندوں کی برائیوں کا خوف ہے...... اور میری بیوی الیشبع (الیزبتھ) بانجھ

ہے...... تو مجھے اپنے فضل خاص سے ایک وارث عطا کر...... اور اے رب! تو اس کو ایک پسندیدہ انسان بنا! اور پھر زکریاؑ نبی خداوند کے مقدس میں خوشبو جلانے لگے تھے کہ معاً ایک فرشتہ نمودار ہوا...... اس نے بشارت دی کہ خدا نے زکریاؑ کی دعا سن لی ہے اور اس بڑھاپے میں، بانجھ بیوی کے بطن سے، اپنی قدرت کاملہ کا ظہور کرنے کیلئے ایک لڑکا بخش دے گا جس کا نام یحییٰ ہوگا......

اور پھر منتوں، مرادوں کے یحییٰ نے بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ راست پر بلانا شروع کیا وہ اونٹ کے بالوں کی پوشاک پہنے اور چمڑے کا پٹکا کمر میں باندھ کر باوقار انداز میں چلتے...... گناہگار ان کے پاس آتے تو وہ توبہ کراکر بپتسمہ یعنی غسل دیا کرتے...... اس لئے بائبل ان کو (John Baprist) کے نام سے یاد کرتی ہے انہوں نے امراء رؤسا اور مذہبی پیشواؤں کی بداخلاقی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ وہ کہا کرتے...... ”میں بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں...... توبہ کروائے افراد نسل انسانی...... کیونکہ آسمان کی بادشاہت قریب آگئی ہے۔ جس کے پاس دو کرتے ہوں وہ اس کو جس کے پاس نہ ہو بانٹ دے اور جس کے پاس کھانا ہو، وہ بھی ایسا ہی کرے...... محصول وصول کرنے والے شاہی ملازم آتے تو ان سے کہتے، جو تمہارے لئے مقرر ہے، اس سے زیادہ نہ لینا، سپاہی حاضر خدمت ہوتے تو ان کو نصیحت کرتے، نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ ناحق کسی سے کچھ لو اور اپنی تنخواہ پر کفایت کرو...... بگڑے ہوئے علماء اور مذہبی پیشوا توبہ کرنے آتے تو کہتے...... ”اے سانپ کے بچو تم کو کس نے جتادیا کہ آج کے غضب سے بھاگو...... اپنے دلوں میں یہ خیال نہ کرو کہ ابراہیم ہمارا باپ ہے...... اب درختوں کی جڑوں پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے...... پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔

نیکی کی دعوت عام دینے والے اسی پیغمبر نے ایک دن اسرائیل کو بیت المقدس میں جمع کرکے ان کو پانچ باتوں کا حکم دیا۔ ”اللہ کی ہی پرستش کرو کسی کو اس کا شریک و سہیم نہ ٹھہراؤ...... خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھو...... روزہ رکھو...... صدقہ دیا کرو...... اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔“ انہوں نے ہیرودانیٹی پاس کی بے راہ روی پر تنقید کرتے ہوئے کہا۔ آج شاہی محل فحاشی کا اڈہ بن گیا ہے۔ ہیرودیاس بادشاہ کے لئے حرام ہے۔ لیکن خلوص اور درد میں ڈوبی ہوئی اس آواز کو دبانے کے لئے پنجہ استبداد آگے بڑھا۔ اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قید کردیا گیا...... امر بالمعروف کرنے والا آج پابجولاں تھا۔ شہنشاہ نے اطمینان کا سانس لیا کہ اب اس کی رعایا اس کی عیش و نشاط میں ڈوبی ہوئی گندی آلود زندگی کی طرف انگلی تک نہ اٹھا سکے گی......

اور شاہی محل میں رقص ہوتا رہا۔ جام ٹکراتے رہے۔ نقرئی قہقہے گونجتے رہے۔

”مانگ“ ہیرودانیٹی پاس نے شراب کے پیالے کو ہیرودیاس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا: ”اے خوبصورت رقاصہ!“ دل کھول کر مانگ۔ مابدولت تیری ہر خواہش کو پوری کریں گے۔“ زہریلے ناگن کی طرح رقاصہ جھومتی اپنی ماں کے قریب گئی...... ماں کے ہونٹ متحرک ہوئے...... وہ کچھ کہہ رہی تھی...... بیٹی مسکرانے لگی۔ جہاں پناہ! وہ بولی۔ ”میں آپ سے کچھ نہ مانگوں گی۔“

”نہیں!“ بادشاہ نے کڑک کر کہا ”تجھے مانگنا پڑے گا...... ہم آج تجھے نہال کرنا چاہتے ہیں!!“

”آپ کا وعدہ سچا ہے نا عالم پناہ“

”ہاں!“ بادشاہ نے اپنی براق جیسی تلوار کی قسم کھا کر کہا ”ہمارا وعدہ سچا ہے۔“

فلسطین کی یہودی سلطنت کے پرجلال فرمانروا“ رقاصہ کہہ رہی تھی۔ اس کا سارا جسم یکایک کپکپا اٹھا......

اس کی زبان جیسے سوکھ کر حلق میں پھنس گئی۔

”ہاں ہاں...... بولو...... رک کیوں گئی ہو۔ مانگو۔ کیا مانگتی ہو؟“

”میں۔ میں۔“ اور رقاصہ پسینے میں شرابور ہوگئی تھی اس کے قدم لڑکھڑانے لگے۔

سارے دربار پر جیسے موت کے سناٹوں نے احاطہ کرلیا تھا۔ ہیرودیاس نے اپنی بیٹی کی ہمت بندھائی۔

"حضور!" رقاصہ کی آواز جیسے سناٹوں میں گونج اٹھی۔ حضور حضور۔ ح۔ ح۔ یحیٰ نبی کا سر...... سونے کی تھال میں!!"

اینٹی پاس پر جیسے بجلی سی گر پڑی...... وہ تھرا گیا۔ ایک مقدس نبی کا سر...... نہیں نہیں وہ ایسا نہیں کرسکے گا۔ اتنا خوفناک گناہ...... توبہ کرانے والا بے گناہ ہے! نہیں۔ ہرگز نہیں۔ مگر دوسری طرف اس کی نئی محبوبہ اور اس کی رقص کرنے والی بیٹی کی فرمائش۔ اس کا سچا وعدہ...... دل کی بے پناہ دھڑکنوں نے جیسے اس کے سوچنے کی ساری قوتوں کو مفلوج کردیا تھا...... وہ کتنی ہی دیر تک سوچتا رہا...... کتنی ہی دیر تک ٹہلتا رہا...... دو راستوں میں سے ایک راستہ کٹھن اور صبر آزما۔ اور دوسرا آسان اور نفس کی لذتوں سے بھرپور۔ پھر ناگاہ اینٹی پاس نے حکم صادر کردیا۔ اور چشم زدن میں سونے کے خوبصورت تھال میں یحییٰ کا سر کاٹ کر رقاصہ کی نگاہ ناز میں پیش کردیا گیا۔ نیکی اور سچائی کو بدی کی قربان گاہ پر چڑھا دیا گیا......

ظلم کی ٹہنی سدا ہری بھری کہاں رہتی ہے۔ ابھی بیس پچیس برس گزرنے بھی نہ پائے تھے کہ رومن امپائر کے حکمراں ٹائی ٹس نے یروشلم پر دھاوا بول دیا...... رومیوں کی تلوار میان سے چمک اٹھی تو ڈیڑھ لاکھ یہودی قتل ہوگئے۔ 27 ہزار کے قریب غلام بنالئے گئے بنی اسرائیل کے بیحد و حساب افراد کو گرفتار کرکے مختلف شہروں میں بھیج دیا گیا تاکہ ایمفی تھیٹروں میں ان کو جنگلی جانوروں کے آگے پھینک کر فلک شگاف قہقہے لگائے جائیں تاکہ شمشیر زنوں کے کھیل کا تختۂ مشق بننے کے لئے ان کو استعمال کیا جائے۔ قوم یہود کی مہ جبیں اور سرو قد دوشیزاؤں کو فاتحین فلسطین کے لئے چن لیا گیا...... سارا شہر مسمار ہوگیا اور ہیکل تباہ ہوکر پیوند خاک ہوچکا تھا۔

"جو لوگ اللہ کے حکموں کا انکار کرتے ہیں اور ناحق پیغمبروں کو قتل کرتے ہیں اور نبیوں کے علاوہ دوسرے لوگ جو ان کو انصاف کرنے کا حکم دیتے ہیں ان کو بھی قتل کرتے ہیں۔ ان سب کو عذاب دردناک کی خبر دے دو۔" (آل عمران)

بقیہ ...... سیدالشہداءؓ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حزن و ملال

عرض کرنے لگے "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کیلئے ایک سے زیادہ کپڑا بھی نہیں پاتے (کہ اس مظلوم کو پورا کفن دے دیں؟)

فرمایا "لوگوں پر ایک زمانہ (ایسا بھی) آئے گا کہ وہ سرسبز زمینوں کی طرف نکلیں گے جہاں انہیں کھانا کپڑا اور سواری (خوب) ملے گی۔

پھر وہ لوگ اپنے گھر والوں کو لکھیں گے کہ "ہماری طرف چلے آؤ تم ایک بنجر زمین میں رہتے ہو۔" جب کہ مدینہ ان کے لئے بہتر ہے، اگر وہ سمجھیں تو۔ اور جو بھی مدینہ کی سختیوں اور شدتوں پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کے لئے شفاعت کرنے والا یا گواہ ہوں گا۔" (طبقات ابن سعد)

طبقات ابن سعد کی یہ روایت مختصر ہے جب کہ "خمیس" کی روایت میں تفصیل ہے کہ حضرت صفیہؓ آپ کے لئے کفن کے دو کپڑے لے کر آئی تھیں۔ ایک بڑا اور دوسرا چھوٹا۔ وہ حضرت حمزہؓ کو پہنایا ہی جارہا تھا کہ ساتھ ایک انصاری شہید حضرت سہیلؓ کی میت بے کفن پڑی تھی۔ صحابہ کرام کو انہیں بلا کفن کے دفن کرنا اچھا نہ لگا چنانچہ ایک کپڑا انہیں دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ دونوں کپڑوں کے بڑے چھوٹے ہونے کی وجہ سے قرعہ ڈالا گیا تو چھوٹا کپڑا حضرت حمزہؓ کے حصے میں نکل آیا۔ چنانچہ انہیں اسی چھوٹے کپڑے میں دفن کیا گیا۔ سر کو ڈھانپ کر پاؤں پر اذخر گھاس کے پتے ڈال دیے گئے۔ (خمیس)

احد کے شہداء کو جبل احد کے پہلو میں میدان کارزار میں ہی دفن کردیا گیا۔ آج مدینہ منورہ کی زیارت کے لئے آنے والے حاجیوں وغیرہ کے لئے یہ ایک عظیم زیارت گاہ ہے۔

❖❖

محترم عبداللہ خالد قاسمی، خیرآبادی

مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں

یہ نظام قدرت ہے کہ اللہ رب العزت ہمیشہ انسانوں کے اعمال و کردار کی بنیاد پر ان کی ترقی و تنزلی کا فیصلہ فرماتے ہیں، آرام و سکون اور قلبی اطمینان اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان اچھے اعمال و کردار کا حامل بن کر اسی کا خوگر بن جاتا ہے اور اسی کے مطابق اپنی زندگی گزارتا ہے، بے چینی، ذہنی انتشار اور قلبی بے اطمینانی انسان کا اس وقت مقدر بن جاتی ہیں جب وہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ اصول و ضوابط اور ضابطۂ حیات سے ہٹ کر زندگی کی دوڑ میں شامل ہوتا ہے۔

آج یہ عام شکایت ہے کہ اطمینان قلب حاصل نہیں رہا، ذہنی انتشار بہت ہے، طرح طرح کی الجھنیں اور پریشانیاں معاشرے میں ڈیرہ جمائے ہوئے ہیں، ہر آدمی مختلف مسائل میں الجھا ہوا ہے اور انواع و اقسام کی پریشانیوں میں مبتلا ہے۔ اس کا صرف اور صرف سبب یہ ہے کہ ہم نے اپنے اعمال و کردار کو منشائے خداوندی کے خلاف کرلیا ہے، دنیا کی حرص و ہوس میں ہم نے نظام خداوندی کو پس پشت ڈال دیا ہے، خدائی اصولوں کے بجائے دشمنان اسلام کے متعین کردہ ترقی و تنزلی کے معیار کو درست اور صحیح سمجھ لیا ہے اور اسی کو اپنانے کی فکر اور لگن میں رات دن منہمک اور مشغول و مصروف ہوگئے ہیں۔

آج جب معاشرے اور مسلم سماج کا جائزہ لیا جاتا ہے تو اکثر کی زندگیاں دینی امور کی بجاآوری کے بجائے غیر شرعی اور غیر دینی امور میں مصروف دکھائی دیتی ہیں، آج کے معاشرے کا سب سے بڑا ناسور، ٹی وی اور ملٹی میڈیا موبائل فون ہے، جو سماج اور معاشرے کی اخلاقی اقدار کے لئے زہر قاتل سے کسی طرح کم نہیں ہیں، لیکن پھر بھی اکثریت اسی پر فریفتہ نظر آتی ہے۔

قیامت کی نشانیوں کے سلسلہ میں ایک مشہور مقولہ کتابوں میں مذکور ہے کہ:

لترفعن رأية الفساد فوق كل بيت

مطلب یہ ہے کہ قیامت کے قریب فساد کا جھنڈا ہر گھر کی چھت پر لہرا رہا ہوگا۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی شاعت اور دنیوی و اخروی نقصانات اور سماج و معاشرہ پر پڑنے والے اس کے منفی اثرات کی وجہ سے "فساد کا جھنڈا" جس کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے وہ اسی ٹی وی کا انٹینا ہے، جو تقریباً ہر گھر کی چھت پر نصب ہوتا ہے۔ اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی ایک دوسری نشانی یہ بتائی کہ لوگ راتوں کو ناچا کریں گے اور ان کے سروں پر موسیقی کے آلات ہوں گے۔

آج جب کہ ٹی وی پر رات کو میوزیکل شوز دکھائے جاتے ہیں اور گلیوں میں ہم مسلم نوجوانوں کو اپنے کانوں پر Walk Man کے مائیکروفون لگائے ہوئے موسیقی سنتے دیکھتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی صداقت سامنے آتی ہے، جب کہ 1400 سال پہلے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آلات موسیقی کو سر پر رکھ کر لنگوروں کی طرح کیسے ناچا جاسکتا ہے۔

جب مسلمانوں میں ای۔میل (انٹرنیٹ کے ذریعہ خط و کتابت اور پیغام رسانی) کا رواج بڑھا تو نوجوان لڑکوں لڑکیوں میں عشق معاشقے بڑھے۔ پھر جب سیل فون عام ہوا تو اس نے ای۔میل کا بھی نمبر کاٹ دیا، حد تو یہ ہے کہ آج کل مسلمان حج کے دوران طواف کرتے ہوئے بھی سیل فون استعمال کرتے ہیں۔

ایک یہودی پریس نے اپنے اخبار میں ایسے مسلمان حاجیوں کا ذکر کیا "جن کے سیل فون عین وسط حرم میں بج رہے تھے

اور انہوں نے سیل فون کی گھنٹی میں مائیکل جیکس کے گانوں کی موسیقی بھری ہوئی تھی۔"

اندازہ کیجئے کہ حج، جو کہ جامع العبادات ہے اور طواف، جو کہ نماز کی طرح کی عبادت ہے، ایسی عبادات کے دوران بھی دجال کے ایجنٹ ہماری توجہ میں خلل انداز ہوتے ہیں، مشینوں کا استعمال بذاتِ خود برا نہیں، لیکن جب وہ اس درجہ پر پہنچ جائے کہ اس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی شروع ہو جائے تو یہ چیز بری ہے۔

کتنے تعجب کی بات ہے کہ آٹا روز مہنگا ہو رہا ہے۔ اسی طرح دیگر کھانے کی چیزوں کا حال ہے، لیکن دوسری طرف کیبل، ٹی وی، انٹرنیٹ اور سیل فون دن بدن سستے ہوتے جا رہے ہیں۔ حد یہ کہ سیل فون پر آج صرف چند روپوں میں لکھا ہوا پیغام Text Message بھیجا جا سکتا ہے۔

آخر حکومت اس سخاوت کا مظاہرہ کھانے پینے کی اشیا کو سستا کر کے کیوں نہیں کرتی؟ دراصل کھانے پینے کی چیزیں فحاشی اور عریانی نہیں پھیلاتیں۔ اس کے برعکس دجال کے ایجنٹ یعنی ٹی وی، سنیما، انٹرنیٹ، ڈش، کیبل، سیل فون یہ سب جتنے سستے ہوں گے، سوسائٹی میں اتنے ہی عام ہوں گے اور یہ برائی پھیلانے میں معاون ثابت ہوں گے۔

قرآن میں فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سب سے زیادہ بیان ہوا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر دور میں یہی کشمکش رہتی ہے، شیطان کی چالیں وہی رہتی ہیں۔ صرف چہرے اور آلات بدل جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں فرعون نے عوام کو اپنا محکوم اور اپنے سے مرعوب رکھنے کے لئے جادوگر رکھے ہوئے تھے، جو لوگوں کو نظروں کا دھوکہ دے کر ایک طرف لوگوں کی تفریح کا سامان کرتے تھے اور دوسری طرف فرعون کی طاقت سے مرعوب رکھتے تھے۔

آج ٹی وی اور سنیما کے پروڈیوسر اور ڈائرکٹر جو کچھ کرتے ہیں وہ فرعونی اور جادوگروں سے مختلف نہیں، ہالی وڈ کا مطلب ہی "ایسی چھڑی جو لوگوں پر جادو کردے" ہے۔ فلمیں بنانے والے عوام کو ٹی وی اور سنیما کے مخصوص اثرات سے ایسا مسحور کر دیتے ہیں کہ لوگ فلم میں خطرناک سین دیکھ کر دہشت زدہ ہو جاتے ہیں، غمگین سین دیکھ کر رونے لگ جاتے ہیں۔

اب کمپیوٹر کی وجہ سے نظر کا دھوکہ دینا پہلے سے بھی آسان ہو گیا ہے، آج مسلمان اپنا وقت فلم اسٹاروں اور کھلاڑیوں کے کرتب دیکھنے میں گزار دیتے ہیں۔ اسی طرح آج کل کچھ مسلمان ماں باپ فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارا بیٹا پوری رات کمپیوٹر پر کام کرتا رہا، ایسے ماں باپ نہیں جانتے کہ ان کا بیٹا پوری رات انٹرنیٹ پر کیا غلاظت دیکھتا رہا ہے؟

قربِ قیامت کے متعلق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نہایت دلچسپ حدیث ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"**شیطان یتصور بصورۃ رجل فیحدث الناس**" شیطان آدمی کی صورت میں آئے گا اور لوگوں کو خبریں سنائے گا۔ "**فیسمعون لہ**" پس لوگ اس کی بات سنیں گے اور پھر کہیں گے "**اعرف وجہ الرجل ولا اعرف اسمہ**"۔ ہم اس شخص کا چہرہ تو پہچانتے ہیں، لیکن اس کا نام نہیں جانتے۔

آج جب لوگ اپنے گھروں میں بیٹھ کر ٹی.وی پر خبریں دیکھتے ہیں اور شیاطین کو ٹی وی پر دیکھتے ہیں تو اکثر ان کے چہرے ہی پہچانتے ہیں، نام نہیں پہچانتے۔ یہاں ایک اور دلچسپ بات بھی ہے کہ بہت سے مسلمانوں کو جب ہم ٹی وی کے نقصانات بتاتے ہیں تو وہ ٹی وی کی حمایت میں جو آخری دلیل دیتے ہیں وہ یہی ہوتی ہے: "آخر ہمیں ٹی وی پر خبریں دیکھنی ہوتی ہیں۔ ہم حالات حاضرہ سے باخبر رہنا چاہتے ہیں۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کی لنگڑی دلیلوں کا علم تھا اس لئے انہوں نے ہمیں پہلے ہی اس سے باخبر کر دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف احادیث میں بیان فرمایا کہ جو شخص سورۂ کہف پڑھے وہ فتنہ دجال سے محفوظ رہے گا۔ (ترمذی، احمد، نسائی) ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ سورۂ کہف میں وہ کیا پیغام ہے جس سے ہم فتنہ دجال سے بچ سکتے ہیں۔ اصحاب کہف نے اپنے دور کے دجالی فتنہ اور

مادیت پرستی کا مقابلہ غار میں محصور ہو کر کیا، اب ہم بھی دجالی فتنہ کا مقابلہ اصحاف کہف والے طریقے سے کر سکتے ہیں۔ ہمارا غار (کہف) ہمارا گھر ہے، ہمیں یہ چاہئے کہ ہر فتنہ والی جگہ، جہاں اللہ کی نافرمانی ہو رہی ہو، وہاں جانے سے اجتناب کریں، اور اپنے گھروں میں دجال کے ایجنٹوں کو داخل نہ ہونے دیں۔ بلکہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے فتنے کے مواقع کے لئے ہمیں ہدایت فرمائی کہ "کونوا احلاس بیوتکم" (ابوداؤد) فتنوں کے دور میں گھروں میں ایسے دبک کے بیٹھ جاؤ جیسے گھروں میں پرانی چٹائیاں پڑی رہتی ہیں کہ نہ ان کو کسی سے کوئی مطلب ہوتا ہے اور نہ کسی کو ان سے کوئی سروکار۔ جو دجالی ایجنٹ شدید ضرورت کی وجہ سے ہمارے استعمال میں اور ہمارے بچوں کے استعمال میں ہیں، ان پر کڑی نظر رکھیں۔ ساتھ ساتھ قرآن کی تفسیر اور احادیث نبوی کے ترجمے اپنے پورے خاندان کے ساتھ پڑھیں۔ کیونکہ احادیث نبوی میں ہمیں زندگی گزارنے کی ایک ایک قدم پر راہ نمائی ملتی ہے اور سنت کی پیروی میں ہی ہماری کامیابی ہے، ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر ہم اپنی دونوں آنکھیں کھلی رکھیں گے تو کوئی ہمیں زبردستی باطل کے راستے پر نہیں چلا سکتا۔ بقول اقبال۔

تقلید یہ یورپ کی رضامند ہوا تو
مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے

میڈیا اور غیر اسلامی ذرائع ابلاغ اور جدید مواصلاتی نظام کی روز افزوں ترقی نے آج مسلم معاشرے کے سامنے ان گنت مسائل کھڑے کر دیے ہیں، انسانی معاشرتی نظام میں نت نئی تبدیلیاں اتنی تیزی سے آ رہی ہیں کہ عقل و حواس محو حیرت ہیں، غیر اسلامی طاقتیں عام ذہنوں کی تسخیر کے لئے میڈیا اور ذرائع ابلاغ کو نہایت خفیہ انداز میں ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہی ہیں اور معاشرہ کی ساری صالح قدروں پر نقب زنی میں مصروف عمل ہیں، خاص طور سے مسلم معاشرے میں ان کو خوب خوب رواج دیا جا رہا ہے اور ایک طرح سے ذہنوں سے اسلامی قدروں کو پامال کرنے اور دینی شعار کو فرسودہ تصور کرانے کی مہم چلا رکھی ہے، اسلامی ناموں کے ساتھ پروگرام نشر کئے جاتے ہیں، سائٹس بنائی جا رہی ہیں "الجہاد"، "الشہادۃ"، "الاسلام"، اور "القدس" جیسے خوبصورت ناموں کے ذریعے دام ہم رنگ زمین پر پھیلائے جا رہے ہیں اور مسلمانوں کی نئی نسل کو گرفتار مکر و فریب کر کے ان کے ایمان اور ان کی روحانی وراثت کو سلب کیا جا رہا ہے، اس سلسلہ میں عیسائی اور یہودی مشنریاں تو سب سے آگے ہیں، گویا خوش رنگ اور دیدہ زیب حلوہ زہر ملا کر پیش کرتے ہیں اور معاشرہ اس سے لذت کام و دہن حاصل کرتا ہے، لیکن اس کے مہلک اثرات سے بے خبر ہو کر، اس کے نتیجہ اور انجام سے لاپروا ہو کر، آج عالم یہ ہے کہ موبائل فون گاؤں گاؤں پہنچ چکے ہیں، کسی گھر میں چاہے بجلی نہ ہو، پینے کا صاف پانی میسر نہ ہو، معقول علاج کے لئے پیسے نہ ہوں، بچوں نے کسی اسکول کا منہ بھی نہ دیکھا ہو، لیکن موبائل فون ضرور میسر ہوگا، اس موبائل فون کے ذریعے جو انٹرنیٹ کی سہولت سے مزین ہوں اور جو فی الواقع ایک منی کمپیوٹر ہوں، جس میں ڈیجیٹل اور ویڈیو کیمرے بھی موجود ہوں، اخلاقی قدروں کا انہدام اور جنسی اباحیت کا فروغ، دونوں کام دھڑلے سے جاری ہیں، ان موبائل کیمروں کی وجہ سے اس وقت دنیا کی تمام فحش ویب سائٹس پر تیسری دنیا کے لڑکوں اور لڑکیوں کی جنسی حرکات کی فلمیں موبائل کلپس (Clips) کے نام سے دستیاب ہیں، یہ اور ایسی ہی دوسری فحش فلمیں ہر اس موبائل پر، جس میں بلیو توتھ (Blue Tooth) کی سہولت ہو، بھیجے جا سکتے ہیں، آج ہم کس قدر بے حس اور بے خبر ہیں، ہماری نوجوان نسل تیزی سے اس میٹھے زہر کی لت میں مبتلا ہوتی جا رہی ہے، ایک پاکستانی ماہنامہ کی رپورٹ کے مطابق پچھلے ایک ڈیڑھ سال سے اخبارات میں کم و بیش روزانہ شائع ہونے والی اخلاقی جرائم کی روح فرسا خبریں شاہد ہیں کہ ہماری حالت بھی ان مغربی معاشروں جیسی

ہوتی جارہی ہے جہاں جنسی جرائم روزمرہ کا حصہ اور عام زندگی کا معمول بن چکے ہیں، مغربی معاشرے میں ہر منٹ میں خواتین جنسی تشدد کا شکار ہوتی ہیں، یعنی ایک گھنٹے میں اٹہتر (78)، ایک دن میں ایک ہزار آٹھ سو بہتر (1872) اور ایک سال میں چھ لاکھ تراسی ہزار دو سو اسی (683280) خواتین جنسی تشدد کا نشانہ بنتی ہیں، ان میں سے 84 فیصد کی عمریں 24 سال سے کم ہوتی ہیں، جب کہ 84 فیصد جنسی تشدد کرنے والے کہتے ہیں کہ ہیں اکسایا گیا ہے، کس نے اکسایا ہے؟ فحش موبائل کلپس اور انٹرنیٹ فحاشی نے، جنسی تشدد کے 75 فیصد مجرموں کی تعداد انٹرنیٹ اور موبائل کے ذریعے بننے والے ''دوستوں'' کی ہوتی ہے، لیکن جرم کی یہ وہ تعداد ہے جو پولیس ریکارڈ میں ہے، مغرب میں دس میں سے نو عورتیں اپنے ساتھ ہونے والے جنسی تشدد کا کسی سے ذکر تک نہیں کرتیں، جب کہ مشرق میں شاید سو میں سے ایک عورت، بلکہ ایک ہزار میں سے ایک عورت ہی شاید اپنے اوپر ہونے والے جنسی ظلم کو باہر جاکر بتاتی ہو، اس کے باوجود صرف پاکستان جیسے چھوٹے سے مسلم ملک میں صرف ایک سال 2009 میں گینگ ریپ کی 928 وارداتیں پولیس میں رپورٹ ہوئیں اور 274 عمومی ریپ کے واقعات ہوئے، یعنی پاکستان جیسے نام نہاد مسلم ملک میں روزانہ چار خواتین اجتماعی یا انفرادی آبروریزی کا شکار ہوئیں، مغرب کے ماہرین جرائم ونفسیات بتاتے ہیں کہ یہ سارے جنسی جرائم کسی مذہبی گھٹن یا مردانہ استحصال کی نعرہ بازی کا شکار نہ تھے، بلکہ ان میں سے 87 فیصد ایسے تھے جو فحش فلمیں دیکھنے کی لت میں مبتلا تھے، جن لوگوں نے چھوٹے بچوں کو جنسی درندگی کا نشانہ بنایا ان میں تو موبائل اور انٹرنیٹ پر فحش فلمیں دیکھنے اور فحش میگزین پڑھنے کی عادت رکھنے والوں کی تعداد 95 فیصد تھی، مغربی ماہرین نفسیات اس بات پر متفق ہیں کہ آبروریزی اور جنسی جرائم کی خواہشات اسی غلیظ مواد سے پیدا ہوتی ہیں جو موبائل اور انٹرنیٹ پر بے روک ٹوک مہیا ہے، دنیا کے کسی ملک میں ہمارے یہاں سے زیادہ سستا موبائل فون نہیں اور مغرب کی طرح ہمارا میڈیا بھی اس قدر مادر پدر آزاد ہوچکا ہے کہ جیسا چاہتا ہے فحش اشتہارات دکھاتا اور چھاپتا ہے، ابھی تو یہ آتش فشاں خاموشی سے اُبل رہا ہے، لیکن اُس دن کیا ہوگا جب یہ اک دم سے پھٹ پڑے گا اور عزت و ناموس، غیرت وحمیت اور اخلاق واقدار اس نوجوان نسل کے پاؤں کی ٹھوکر میں ہوں گے جن کو ہم خود یہ زہر دے کر پال رہے ہیں؟

تاریخ شاہد ہے کہ جس ماحول اور معاشرے میں اسلام کی تعلیمات اور خدائی اصولوں کی مکمل پاسداری کی گئی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعین کردہ خطوط و حدود کے اندر ہی رہ کر زندگی گذارنے کی کوشش کی گئی وہ ماحول اور معاشرہ امن و سکون کا گہوارہ بنا رہا، اس معاشرے کے ہر فرد کو اطمینان قلب اور ذہنی سکون میسر رہا ہے، معاشرتی بگاڑ اور ماحولیاتی پراگندگی میں سب سے اہم چیز جو موثر ہوتی ہے وہ جرائم کی بڑھتی ہوئی شرح ہوتی ہے، جس معاشرے میں جرم پر ابھارنے والے محرکات موجود ہوں گے اور مجرم کھلے بندوں پھریں گے، انہیں کوئی ٹوکنے والا نہ ہوگا، ان کی سرزنش کرنے والا کوئی نہ ہوگا، اس ماحول اور معاشرے کا امن وسکون یقیناً غارت ہوگا، نگاہ اٹھا کر دیکھا جائے تو آج پوری دنیا میں یہی نظر آئے گا کہ مسلمانوں کی عملی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر غیر اسلامی عناصر اسلام کی شبیہ کو ہر ممکن طریقے سے بگاڑنے میں کوشاں ہیں اور یہ سلسلہ عرصہ دراز سے ہی نہیں، بلکہ اسلامی تاریخ کے پہلے دور سے اس کی کڑیاں آپس میں ملی ہوئی ہیں، البتہ حالات وزمانہ کے اعتبار سے اس میں کمی وزیادتی ہوتی رہی ہے۔

آج پھر ضرورت اس بات کی ہے کہ ماحول اور معاشرے کو صالح بنایا جائے اور ان اسباب ومحرکات کا پوری ایمانی قوت کے ساتھ بائیکاٹ کیا جائے جو سماج اور معاشرے میں گندگی پھیلا کر جرائم کو پنپنے کا موقع فراہم کرتے ہیں، موبائل فون آج کی زندگی کی

ایک ضرورت بن چکا ہے، لیکن اس کا استعمال بقدر ضرورت جائز حدود میں رہ کر ہی کیا جائے، تاکہ معاشرے کی صالح اقدار برقرار رہیں اور کہیں سے کوئی بگاڑ اور معاشرے کی صالحیت میں کوئی فرق نہ آئے۔

مسلمانوں کی روشن تاریخ گواہ ہے کہ مثالی اتحاد اور استقامت علی اللہ واخلاص و للہیت کی بدولت، امت محمدیہ نے دنیائے انسانیت میں تاریخ ساز، حیرت انگیز انقلاب برپا کیا، سب سے پہلے جزیرہ نمائے عرب سے لاقانونیت، بدامنی، غارت گری، انارکی، درندگی کو ختم کرکے صحرائے عرب کو اسلامی وحدت کا مرکز بنادیا، اسلام نے اپنی آفاقی تعلیمات کے ذریعہ منتشر ومتحارب گروپوں اور جنگ وجدال میں برباد ہوتے قبائل کو کلمہ توحید کی بنیاد پر ایسا مربوط وثابت قدم کردیا کہ وہ ایک جسم وجان بن کر ابھرے اور ساری دنیا پر چھاگئے، ایک ایمانی فضا قائم کی، اللہ کی الوہیت وربوبیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و قیادت اور اسلام کی حقانیت وصداقت پر کامل یقین، امت محمدیہ کا تشخص وامتیاز بن گیا تھا اور یہی جذبہ ان کو دنیائے فانی کی حرص، اقتدار کی ہوس اور منصب ومرتبہ کی لالچ سے بے نیاز بنائے ہوئے تھا کہ کبھی بھی جاہ ومنصب کے لئے محاذ آرائی اور اپنے کو نمایاں کرنے کی خواہش ان میں پیدا نہ ہوسکی، عہد اول و قرون ماضیہ کے مسلمانوں کی یہی صفت دشمنوں کے لئے سب سے خطرناک چیز تھی، وہ اپنی تمام تر سازشوں اور کوششوں سے بھی اسلامی وحدت کو نہیں توڑ سکے، نتیجہ ظاہر تھا کہ مسلمانوں کو ہر میدان میں فضیلت و برتری، فتح وغلبہ حاصل تھا، اس وحدت کی روح کلمہ توحید اور اسلامی نظام حیات تھا، کسی موقع پر بھی انہوں نے اپنی ذاتی آرا اور نفسانی خواہشات کے تحت کوئی قدم نہیں اٹھایا، بلکہ ملت کے مفاد میں اگر اپنی ذاتی شخصیت وحیثیت کو قربان کرنے کی ضرورت پیش آئی تو بلاتردد قربانی دے دی، مثال میں ایک بہت ہی اہم واقعہ محض نمونہ کے طور پر اشارۃً پیش ہے کہ مجاہدین اسلام کے سپہ سالار اعظم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی فوجی بصیرت، دفاعی لیاقت اور حربی حکمت عملی کی تعریف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور ان کو سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کا خطاب دیا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی دہشت سے قیصر وکسریٰ کے جرنیلوں کا پتہ پانی ہوتا تھا، وہ فی الواقع سیف اللہ تھے، فتح وکامرانی کی علامت، مگر کچھ خاص مصلحتوں اور حکمتوں کے باعث امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو سپہ سالار اعظم کے جلیل القدر منصب سے عین اس وقت معزول کردیا جب کہ وہ شام کے محاذ پر قیصر روم کی فوجوں سے لوہا لے رہے تھے اور ان کا ناطقہ بند کئے ہوئے تھے، جیسے ہی معزول کا پروانہ پہنچا، خالد بن ولید نے اسلام اور ملت اسلامیہ کے مفاد میں اپنی بلند ترین شخصیت کو ایک عام سپاہی کے درجہ تک بلاتکلف پست کرلیا، نہ کوئی شکوہ، نہ کوئی تبصرہ، بلکہ ایک جملہ زبان پر دل کی گہرائیوں سے نکل رہا تھا، کہ ابن ولید ہر حال میں امیر المومنین کے حکم کا تابع، صرف اللہ ورسول کیلئے سربکف میدان میں ہے، خواہ بحیثیت سپہ سالار ہو یا بحیثیت عام فوجی، مقصد اللہ کی خوشنودی اور اسلام کی سربلندی کے سوا کچھ نہیں۔

ہر دور میں دین دشمن عناصر نے یہی کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کی صفوں میں دراڑ پیدا کرکے ان کو اختلاف وافتراق میں ڈال دیا جائے، اس کے علاوہ کوئی صورت ان پر غالب آنے اور قابو پانے کی نہیں، بغداد کی عباسی خلافت ہو یا عثمانی سلطنت، قومی وعلاقائی اور مذہبی منافرت وتعصب ہی زوال کا باعث بنا، استعماری طاقتوں نے ہندوستان ودیگر افریقیو ایشیائی ممالک پر اپنے تسلط واقتدار کو باقی رکھنے کے لئے اسی افتراق کا سہارا لیا اور اسلامی وحدت کی چادر ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی بھرپور کوشش کی، ملک کے موجودہ حالات میں آج وحدت اور اتفاق واتحاد کی سخت ضرورت ہے، اس اتحاد واتفاق کی عملی کوششیں ہونی چاہئیں اور اس کے لئے دعاؤں کا خصوصی اہتمام بھی۔

واللہ الموفق، و ھو المستعان

ادارہ

ابن بطوطہ

چھٹی صدی ہجری کا معروف مسلمان سیاح

سیاح اور مورخ، ابوعبداللہ محمد ابن بطوطہ کا مکمل نام ہے۔ مراکش کے شہر طنجہ میں پیدا ہوئے۔ ادب، تاریخ اور جغرافیہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اکیس سال کی عمر میں پہلا حج کیا۔ اس کے بعد شوق سیاحت میں افریقہ کے علاوہ روس سے ترکی پہنچے۔ جزائر شرق الہند اور چین کی سیاحت کی۔ عرب، ایران، شام، فلسطین، افغانستان اور ہندوستان کی سیر کی۔ چار بار حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ محمد تغلق کے عہد میں ہندوستان آئے تھے۔ سلطان نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور قاضی کے عہدے پر سرفراز کیا۔ یہیں سے ایک سفارتی مشن پر چین جانے کا حکم ملا۔ ۲۸ سال کی مدت میں ۷۵ ہزار میل کا سفر کیا۔ آخر میں فارس کے بادشاہ ابوحنان کے دربار میں آئے اور اس کے کہنے پر اپنے سفرنامے کو کتابی شکل دی۔ اس کتاب کا نام عجائب الاسفار فی غرائب الدیار ہے۔ یہ کتاب مختلف ممالک کے تاریخی وجغرافیائی حالات کا مجموعہ ہے۔ ابن بطوطہ نے دور دراز علاقوں کے طویل سفر کئے اور اپنے سفری تجربات و مشاہدات کو اپنے مشہور زمانہ سفرنامہ میں قلمبند کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ابن بطوطہ کا شمار دنیا کے صف اول کے سیاحوں میں ہوتا ہے۔ ان کا اصل مقصد قاری کو دنیا کے مختلف خطوں میں ہونے والے اہم واقعات اور حیرت انگیز چیزوں سے روشناس کرانا تھا۔ مشہور مسلمان سیاح ابن بطوطہ ۲۵ر فروری ۱۳۰۴ء میں مراکش کے شہر طنجہ میں پیدا ہوئے، انہوں نے ساری زندگی سیر و سیاحت میں بسر کرنے کے بعد ۱۳۶۹ء میں مراکش ہی میں وفات پائی اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔ ابن بطوطہ کا پورا نام شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بن یوسف اللواتی الطنجی تھا۔ ان کے خاندان کا تعلق بربری قبیلے لواتہ سے تھا جو اپنے عہد کا معتبر قبیلہ تھا۔

ابن بطوطہ ۱۳ر جون ۱۳۲۵ء کو گھر سے حج کے ارادے سے نکلے اور تقریباً ربع صدی بعد نومبر ۱۳۴۹ء میں واپس مراکش پہنچے۔ اس مدت میں انہوں نے ایشیا کے بیشتر ممالک اور مشرق بعید میں چین تک کی سیاحت کی۔ ابن بطوطہ ۱۳۲۶ء میں شمالی افریقہ سے ہوتے ہوئے مصر پہنچے جہاں سکندریہ کے مقام پر ان کی ملاقات ایک عالم برہان الدین سے ہوئی جن سے وہ بے حد متاثر ہوئے۔

برہان الدین نے ابن بطوطہ کو حصول علم کے لئے ہندوستان اور چین جانے کی ترغیب دی۔ ابن بطوطہ جن کے ذہن میں سیر و سیاحت کا خیال پہلے سے موجود تھا، اس ترغیب سے بہت خوش ہوئے۔ برہان الدین نے انہیں ہندوستان کے چند ایسے علماء کے نام بتائے جن سے اس کی ملاقات ضروری تھی لیکن سفری مشکلات کی وجہ سے وہ ایسا نہ کرسکے اور شام اور فلسطین سے ہوتے ہوئے حجاز شریف پہنچ گئے جہاں انہوں نے فریضہ حج ادا کیا۔ حج کر چکنے کے بعد ابن بطوطہ عرصہ تک عراق اور ایران میں سیاحت کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ دوبارہ مکہ آگئے اور دو سال کا عرصہ مکہ میں گزار دیا۔ ایک تیسرے سفر میں وہ جنوبی عرب سے ہوتے ہوئے مشرق افریقہ گئے اور واپسی پر خلیج فارس پہنچے۔ یہاں سے وہ تیسری بار مکہ روانہ ہوئے اور حج ادا کیا۔ وہاں سے وہ اسوان پہنچے اور مصر و شام سے ہوتے ہوئے ایشیائے کوچک (اناطولیہ) کریمیا

چلے گئے۔ ابن بطوطہ نے قسطنطنیہ کی بھی سیر کی اور وہاں قیصر انڈونیکوس سوم سے ملاقات کی۔ پھر دریائے وولگا سے گزر کے خوارزم، بخارا اور افغانستان ہوتے ہوئے براستہ ہندوکش ہندوستان وارد ہوئے۔ یہاں سلطنت دہلی کے مشہور فرمانروا سلطان محمد تغلق نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور انہیں قاضی کے عہدے پر فائز کیا۔ انہوں نے کچھ عرصہ ہندوستان میں سکونت اختیار کی لیکن سیاحت کے جنون نے انہیں یہاں بھی آرام سے بیٹھنے نہ دیا۔ ہندوستان میں تقریباً دو سال تک عہدہ قضا پر فائز رہے۔ ۱۳۴۴ء میں وہ مالدیپ سے نکلے اور لنکا، بنگال اور ہند اقصیٰ کی سیاحت کرتے ہوئے چین جا پہنچے۔ چین کی سیر کے بعد وہ سماترا کے راستے عرب واپس آگئے۔ ایران، عراق، شام اور عرب میں سفر کرنے کے بعد انہوں نے مصر سے مکہ جاکر چوتھی مرتبہ حج کیا۔ شام میں ایک طویل عرصے کے بعد انہیں گھر کے بارے میں معلومات ملی تھیں۔ ان کو معلوم ہوا کہ ان کے والد پندرہ برس قبل فوت ہو چکے ہیں لیکن ان کی والدہ ابھی زندہ ہے، لہٰذا حج سے فارغ ہوکر شمالی افریقہ کے راستے واپس ہوئے اور نومبر ۱۳۴۹ء کو چوبیس سال بعد فیض (Fez) میں داخل ہوئے یہاں تھوڑی دیر قیام کے بعد ابن بطوطہ پھر سیاحت کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور اسپین جا نکلے۔ یہاں سے وہ افریقی ریاست مالی پہنچے اور ٹمبکٹو اور گاؤ کے شہر دیکھے تو اب اور اگدیز کے نخلستانوں سے گزر کر وہ ۱۳۵۴ء میں واپس مراکش پہنچے۔ یہیں ان کی ۲۸ سالہ سیاحت کا ہنگامہ خیز دور ختم ہوا جس کے دوران میں انہوں نے تقریباً ۷۰۰۰۰ میل کا سفر طے کیا۔

ابن بطوطہ نے فیض کے سلطان ابوحنان کے حکم پر ایک ہسپانوی عالم ابن جزی الکلبی کو اپنے سفر کے حالات لکھوائے۔ ابن جزی، ابوحنان کے دربار میں ملازم تھا اور انشاء پردازی کا ماہر تھا اس نے بڑی توجہ اور محنت سے ابن بطوطہ کا سفرنامہ مرتب کیا اور اسے کتابی شکل دی۔ ابن جزی ۱۳۶۵ء کے قریب وفات پائی۔ اس کی اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر کا ایک حصہ پیرس کے قومی کتاب خانے میں محفوظ ہے۔ ابن بطوطہ کے سفرنامے کا اصل مقصد حصول علم تھا۔ ان دنوں رواج یہ تھا کہ جو لوگ حج کی غرض سے نکلتے وہ راستے میں مختلف علاقوں کی سیاحت کرتے اور علم حاصل کرنے کی غرض سے علماء کی صحبت اختیار کرتے۔ ابن بطوطہ بھی علم حاصل کرنے کے لئے نکلے تھے مگر بعد میں سیر کا شوق علم حاصل کرنے کے شوق پر غالب آگیا۔ ابن بطوطہ نے زیادہ وقت مسلمان ممالک میں گزارا۔ غیر مسلم ممالک میں قیام کے دوران بھی انہوں نے مسلمان علماء اور صوفیاء تک رسائی حاصل کی اور ان کی صحبت میں وقت گزارا۔ انہیں سیاحت کے دوران دو تین دفعہ قاضی کے عہدے پر کام کرنے کا موقع ملا۔ پہلے وہ مراکش سے مصر جاتے ہوئے قافلے میں قاضی چنے گئے، پھر ہندوستان میں قاضی کے عہدے پر مامور ہوئے، پھر مالدیپ میں بھی انہیں قاضی مقرر کیا گیا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ اسلامی فقہ اور قانون کا علم رکھتے تھے۔ اگر وہ مراکش سے نہ نکلتے تو شاید وہاں بھی اسی شعبے میں نام کماتے۔ ابن بطوطہ دوران سیاحت جہاں بھی گئے، انہیں گرانقدر تحائف سے نوازا گیا۔ بعض فرمانرواؤں نے انہیں وظائف بھی دیے۔ یہ تحائف اور وظائف ان کا بڑا سہارا تھے وہ ان سے سفر کے اخراجات بھی پورے کرتے اور اپنا اور اپنے ساتھیوں کا خرچ بھی چلاتے۔ سلطان تغلق کی طرح بعض حکمرانوں کی فراخدلی کا ذکر انہوں نے خاص طور پر کیا ہے۔ گاہے گاہے انہوں نے تجارت کا شوق بھی پورا کیا۔ بعض شادیوں کے نتیجے میں بننے والے تعلقات بھی ان کے لئے مفید رہے۔ یہ تعلقات مالی طور پر ان کے لئے مددگار ثابت ہوئے۔ وہ سفرنامے میں اکثر ان عورتوں کا ذکر کرتے ہیں جن کے ساتھ انہوں نے مختلف مقامات پر شادی کی۔ سفر میں بہت سی کنیزیں بھی ان کے ہمراہ رہتی تھیں وہ اپنے بہت سے بچوں کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ ان کے کئی بیٹے بیٹیاں تو ایسے